جامعہ امام محمد انور شاہ دیوبند کا علمی، دینی، ادبی ترجمان

ماہنامہ

محدثِ عصر

بانی

فخر المحدثین حضرت مولانا سید انظر شاہ مسعودی کشمیری رحمہ اللہ

مدیر

سید احمد خضر شاہ مسعودی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بیادگار: محدّث عصر حضرت علامہ سیّد محمد انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ

جامعہ امام محمد انور شاہ دیوبند کا علمی، دینی، ادبی ترجمان

ماہنامہ

محدّثِ عصر

جنوری فروری ۲۰۲۴ء | جلد نمبر ۲۲ | شمارہ نمبر ۱

بانی: فخر المحدثین حضرت مولانا سیّد انظر شاہ مسعودی کشمیری رحمہ اللہ

مدیر: سیّد احمد خضر شاہ مسعودی

نائب مدیر
مولانا سیّد فضیل احمد ناصری
08881347125

نگراں ترسیل
مولانا ابوطلحہ اعظمی
09997504588

اشتراک وتعاون

اندرون ملک:
فی شمارہ-/30 سالانہ-/360
خصوصی-/1000
تاحیات-/6000

بیرون ملک:
سالانہ:20امریکی ڈالر
خصوصی:100امریکی ڈالر
تاحیات:500امریکی ڈالر

شائع کردہ

جامعۃ الامام محمد انور شاہ دیوبند

عقب عیدگاہ، دیوبند247554(یوپی)

فون آفس:01336-220471 فون وفیکس(مدیر) 01336-222471-223371

موبائل(مدیر): 08006075484

ای۔میل: ahmadanzarshah@gmail.com

ورق در ورق

عصریات

سید احمد خضر شاہ مسعودی کشمیری

ہوئی تاخیر تو کچھ باعثِ تاخیر بھی تھا
آپ آتے تھے، مگر کوئی عناں گیر بھی تھا

لگاتار تین سالہ فترت کے بعد ماہ نامہ محدثِ عصر آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ لاک ڈاؤن کے منحوس اثرات دنیا پر پڑے تو اس کی آندھیوں اور جھکڑوں سے یہ بھی محفوظ نہ رہ سکا۔ رسالہ بند ہونے کے بعد دوبارہ جاری کرنا چاہا تو رجسٹریشن کی مشکلات نے اس کے پیروں میں بیڑیاں ڈال دیں۔ امتحان کا ایک صبر آزما اور جاں گداز مرحلہ۔ اس دوران قارئین کے فون آتے رہے اور اپنے طویل انتظار کا الم سناتے رہے۔ ایک ایسا رسالہ جس کی روانی روزِ اول سے ہی صبا رفتار رہی ہو اور وہ یکا یک پا بہ جولاں کر دیا جائے تو طبیعت کیسی پھڑ پھڑاتی ہے۔ کل شئی مرھون باوقاتہ۔ کاتبِ تقدیر نے یہی لکھا تھا، کوئی کیا کر سکتا تھا۔ خدا خدا کر کے رجسٹریشن کے سارے مراحل عبور ہو چکے۔ اب یہ تازہ شمارہ آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ قادر و قیوم ہستی سے دعا ہے کہ اس کی قسمت میں بقا و دوام لکھ دے۔ آمین۔

☆ ——— ☆ ——— ☆

ملک آزادی کے بعد کس طرف جا رہا تھا اور کدھر ہانک دیا گیا! ہندوستان کی تصویر کیا تھی اور کیا بنا دی گئی! نفرت، انتہا پسندی، ایذا رسانی، بدزبانی اور دھمکیاں یہی اپنے وطنِ عزیز کا مقدر بن چکی ہیں۔ ہر سیکولر پریشان ہے، ہر متنفس پیچ و تاب میں۔ لوک سبھا انتخابات کا وقت جیسے جیسے قریب آ رہا ہے، یہ روح فرسا سانحے پیاپے بڑھتے جا رہے ہیں۔ تعصب اس قدر اور اخلاقی گراوٹ اس درجہ کہ اللہ کی پناہ! بابری مسجد کی شہادت کا زخم ملتِ اسلامیہ کو پہلے ہی خون کے آنسو رلا چکا تھا اور اس کے غم سے نکلنا تو کسی بھی باضمیر مسلمان

کے لیے ممکن ہی نہیں۔ فیصلہ جو ہوا تھا وہ خود انصاف کا خون کہا اور سمجھا گیا۔ اب اس مغصوبہ زمین پر رام مندر کھڑا ہو چکا ہے۔ روائے بدنصیب ملت! رو! کہاں وہ روح پرور دور کہ فاطرِ کائنات کی وحدانیت کے زمزمے بلند کیے جاتے تھے اور کہاں یہ سیاہ گھڑیاں کہ وہیں لات وعزیٰ کی پرستش شروع ہو چکی۔ سینے پر سانپ کیوں نہ لوٹے! دیدۂ دل خوں نابہ بار کیوں نہ ہو۔ ستم ظریفی تو دیکھیے کہ ملک کے اربابِ اقتدار اسی کی مالا جپ رہے ہیں۔ 22/ جنوری کو رام مندر کا افتتاح ہے۔ حکمراں طبقہ بھی وزیرِ اعظم سمیت اس موقع پر موجود ہوگا۔ سوزش پر نمک پاشی کی اس سے سچی تعبیر اور کیا ہوگی! حیرت تو اس پر بھی کہ پورے کا پورا میڈیا اسی رنگ میں رنگا ہوا۔ مکمل زعفرانی۔ ترقیات کے سارے موضوعات سرد خانے میں۔ اقتصادی بدحالی پر کوئی تبصرہ اور مذاکرہ نہیں۔ آئینِ ہند کی بالادستی بھی خطرات سے دوچار، مگر ہر گھڑی اجودھیا اور رام مندر، افتتاح اور مقتدرہ۔ صبح یہی رٹ، شام یہی غوغا۔ میڈیا کے پاس اس کے سوا کوئی موضوع ہی نہیں رہا۔ رام مندر کا افتتاح ہے اور سادھو سنتوں کے دل بھی اربابِ حکومت سے رنجور و کبیدہ۔ یہ کیا چل رہا ہے! یہ کیا ہو رہا ہے!

☆————☆————☆

ادھر ملک کے یہ روح فرسا حالات اور ادھر ارتداد کی منہ زور آندھیاں۔ مسلم لڑکیاں اور لڑکے آئے دن اسلام سے رشتہ توڑ رہے ہیں۔ ہر ماہ یہی خبر کہ آج فلاں علاقے کی لڑکی اسلام سے نکل گئی۔ فلاں خطے کا نوجوان کفر وارتداد کی دلدل میں گر گیا۔ امتِ مسلمہ کی بچیاں زیادہ اس کی شکار بنیں۔ وہ مخلوط اسکول میں پڑھتی ہیں، وہیں کسی غیر مسلم سے تعلق ہوتا ہے۔ بات آگے بڑھتی ہے۔ ملاقاتوں سلسلہ تیز ہوتا جاتا ہے اور نتیجہ وہی المناک خبر۔ صدمہ اس کا بھی ہے کہ والدین بھی بے بس ہیں، بلکہ بہت سے سرپرست ان کی مرضیات میں شریک بھی۔ یعنی کریلا اور نیم چڑھا۔ شرم وحیا ہر دو سے رخصت۔ ارتداد کے یہ واقعات مسلسل کیوں بڑھ رہے ہیں؟ ان کا سدِ باب کیا ہوگا؟ ان پر قدغن لگانے کی آخر صورت کیا ہوگی؟ یہ سوالات ہیں، جن کے جوابات دیے جا رہے ہیں۔ مدبرین ومفکرین اپنی کاوشیں جھونک رہے ہیں، مگر نتیجہ وہی ناکامی، ناکامی اور ناکامی۔ آہ نوجوانوں کو کب سمجھ میں آئے گا کہ اسلام کی فطرت میں تاثیر ہے، تاثر نہیں۔ استقلال ہے، انفعال نہیں۔ پھر وہ شیطانوں کے چنگل میں کیوں پھنستے جا رہے ہیں!! غور کی نظر ڈالیے تو ارتداد کی یہ لہر ایک سزا نظر آئے گی۔ ایک مکافاتِ عمل۔ قدرت کا ایک انتقام۔ جب اللہ اور رسول ﷺ کا کلمہ پڑھنے والوں کو اسلام کی کوئی پروانہ رہی تو اللہ کو بھی ایسے مسلمانوں کی کوئی پروا نہیں۔ معاصی سے زندگی کو جہنم زار بنا دیا گیا۔ گھر کے گھر پنج وقتہ نمازوں کے تصور سے بھی محروم۔ تلاوتِ قرآن کی توفیق تو شاید مقسوم ہی نہ تھی۔ حیا اور پاک دامنی کے تمام وسائل خاکستر۔ چہرہ مہرہ یہود ونصاریٰ کا نقال۔ اسلام کی پاکیزہ

تعلیمات ہر گوشۂ حیات سے غائب از نظر۔ عریانی، فحاشی، عیاشی منظورِ نظر۔ عصری تعلیم کے نام پر لادینیت کا سیلِ بے مہار۔ مسلمانوں کا معاشرہ شترِ بے زنجیر بن گیا، جس کی کوئی بھی کل سیدھی نہیں ہوتی۔ ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ۔ ان شرمناک واقعات پر بندش کی بس ایک ہی صورت ہے۔ واپسی، واپسی، اسلام کی طرف مکمل واپسی:

جسے فضول سمجھ کر بجھا دیا تم نے ☆ وہی چراغ جلاؤ تو روشنی ہوگی

☆————☆————☆

ملک سے باہر نکلیے اور فلسطین کو دیکھیے تو پتہ پانی ہو جاتا ہے۔ حماس اور اسرائیل کی جنگ ۷/ اکتوبر ۲۰۲۳ء سے چلی اور چلتی ہی چلی جارہی ہے۔ انتہائی خوفناک اور ہوش ربا۔ ایک طرف نہتے فلسطینی ہیں اور دوسری طرف جدید اسلحے سے لیس اسرائیل، جس کے جلو میں امریکہ بھی ہے اور برطانیہ بھی۔ آسٹریلیا بھی ہے اور دوسرے مغربی ممالک بھی۔ گویا عقاب اور ممولے کے درمیان بے جوڑ تصادم۔ اسرائیل نے فلسطینیوں پر جس طرح کے حملے کیے ہیں وہ تاریخ کے سیاہ ترین ابواب کی حیثیت حاصل کر چکے۔ اندھا دھند بمباری، بے دریغ قتلِ عام۔ خاندان کے خاندان اجڑ گئے۔ قاتلینِ انبیا المعروف بہ یہود نے عورتوں اور بچوں کو بھی نہیں بخشا۔ بوڑھوں اور بیماروں پر بھی ان کا دل نہیں پسیجا۔ بم، میزائل، توپیں معصوم فلسطینیوں پر گرتی رہیں اور زمین کے نقشے کو تہ وبالا کرتی رہیں۔ انسانیت کو شرمسار ہو کر رہ گئی، مگر ان کی حیوانیت پر فل اسٹاپ تو کیا لگتا، کامہ بھی نہیں لگا۔ لگاتار اور تسلسل کے ساتھ آدمیت کا خاتمہ ان کا مشن۔ شہری آبادیوں پر قہرناک بم تو برسائے ہی، اسکولوں، کالجوں اور ہسپتالوں تک کو نہیں چھوڑا۔ ہر جگہ وہ گڑگڑاہٹ اور گھن گرج۔ عمارات ملبے کے ڈھیر میں تبدیل ہوگئیں۔ انسانی جانوں کا اتلاف بیس ہزار کی تعداد کو بھی پیچھے چھوڑ گیا۔ یہ دجالی ریاست حماس کا تو کچھ بگاڑ نہ سکی، مگر کھسیانی بلی کھمبا نوچے کے مصداق شہریوں کی نسل کشی سے ہی تسکین کی جستجو کی۔ ان کا جرم بس اتنا ہے کہ وہ اپنے ملک کی آزادی چاہتے ہیں اور قبلۂ اول کا مکمل تحفظ۔ دنیا کے ۱۴۵/ ممالک کے عوام سراپا احتجاج ہیں۔ فلسطینیوں کی حمایت میں مظاہرے کر رہے ہیں۔ کہیں امن کی فاختائیں اڑائی جارہی ہیں، خود صہیونی ریاست میں حکومت مخالف لہریں ہیں، مگر افسوس کہ حقوقِ انسانی کی صدا بلند کرنے والے ہی خاموش تماشائی ہیں۔ اقوامِ متحدہ بھی مہر بہ لب سارے تماشے دیکھ رہی ہے۔ قہرِ درویش بر جانِ درویش، یہی مظلوم فلسطینی ظالم بھی قرار دیے جارہے ہیں۔ حالاں کہ اعداد وشمار دیکھیے تو اسرائیلی چند سو سے زیادہ ہلاک نہیں ہوئے اور اندھی دنیا کی نظر میں اب بھی اسرائیل ہی مظلوم ہے:

خرد کا نام جنوں رکھ دیا، جنوں کا خرد☆ جو چاہے آپ کا حسنِ کرشمہ ساز کرے

☆——☆——☆

ایک طرف فلسطینیوں پر دمادم مصائب کے پہاڑ اور دوسری طرف عربوں کی بے حسی و مردہ ضمیری۔ حالانکہ وہ کمزور ونا تواں مسلم ممالک کا ہی فرضِ کفایہ ادا کررہے ہیں۔ خانہ پری کے لیے او آئی سی کا ایک اجلاس اسرائیل کے خلاف کرلیا۔ باقی اللہ اللہ خیر سلاّ۔ کوئی اقدام نہیں، رنجش کا کوئی اظہار نہیں، سب اپنی دھن میں مست، اپنے تعیش میں مگن۔ مسلم ممالک کی حمیت اجتماعی موت مرگئی۔ ادھر ساؤتھ افریقہ مسیحا بن کر آیا۔ فلسطین کا مسئلہ پوری قوت سے اٹھا رہا ہے۔ عالمی عدالت میں اس کی طرف سے طویل ترین مقدمہ پیش ہے، جس نے قابض صہیونیوں پر ایک لرزہ پیدا کردیا ہے۔ اس کے ایک کھلاڑی نے اسرائیل کی حمایت کی تو اس پر بھی سخت توبیخ اور کرخت تہدید۔ افریقہ کا یہ اقدام دوطرفہ طمانچہ ہے، جو کبھی اسرائیل پر پڑ رہا ہے اور گاہے عرب اور مسلم ممالک پر، تاکہ وہ جاگ جائیں۔ ان کا ضمیر اگر اب بھی نہ جاگ سکا تو پھر کب جاگے گا اور کون اسے جگا سکتا ہے!!

ندا آئی کہ آشوبِ قیامت سے یہ کیا کم ہے! ☆ گرفتہ چینیاں احرام و مکی خفتہ در بطحا

(بقیہ: ص/ ۳۰ کا) ایک کے لئے سنی جاسکتی ہے، لیکن اخلاف جس رنگ میں اپنے مسلک کی ترجمانی کر رہے ہیں، اس کو دیکھ کر تو ایک غیر جانبدار چاروں فقہاء کو دست وگریباں ہی سمجھتا ہے، حالانکہ تبصرہ نگار فقہ کو ترک واختیار کے مجموعہ سے زیادہ نہیں سمجھتا، جس کا سیدھا سادا مطلب یہ ہے کہ مثلاً ابوحنیفہ امام اعظم نے حدیث کے دفتر گراں مایہ سے کسی حدیث کو لیا اور کسی حدیث کو چھوڑ دیا، اس طریق کار کے بعد ان کا فرض ہے کہ ترک کے اسباب اور اختیار کی وجوہ بیان کریں، نہ کسی پر تعریض، نہ کسی جانب روئے سخن، امت اگر اس نکتہ کو سمجھ لیتی تو فقہی مناقب میں پیدا کردہ خانہ جنگی کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ ہوجاتا، مگر افتراق اور تشتت کی بادسموم چل کر رہی، جس سے اسلام کا شاداب چہرہ افسردہ وفشردہ نظر آتا ہے، ہر مذہب کے دلائل احادیث سے جمع کئے گئے، اور فقہ حنفی کے متعلق یہ افسانہ تراشا گیا کہ اس کی پشت پر حدیث کا کوئی ذخیرہ موجود نہیں، اس افسانوی حقیقت کو بے نقاب کرنے کے لئے مولانا ظہیر احسن شوق نیموی، مولانا تھانوی علیہ الرحمہ نے باقاعدہ کام کیا، اور آخر میں مولانا عبداللہ حیدرآبادی نے زجاجۃ المصابیح کے نام سے مشکوۃ کی ترتیب پر حنفی فقہ کے دلائل حدیث سے جمع کئے۔ (تنقید وتبصرہ رسالہ دارالعلوم)

(جاری)

مطالعۂ حدیث

اعتدال

مولانا ظہور الباری اعظمی

انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ تشریف لائے (مسجد میں) تو آپ کی نظر ایک رسی پر پڑی جو دو ستونوں کے درمیان کھینچی ہوئی تھی، آپ نے دریافت فرمایا کہ یہ رسی کیسی ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ زینب کی رسی ہے۔ جب وہ نماز پڑھتے پڑھتے تھک جاتی ہیں تو اسی کو پکڑ لیتی ہیں، نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ ہرگز نہیں، اسے کھول دو! کسی بھی شخص کو دل جمعی اور نشاط رہنے تک نماز پڑھنی چاہئے، اور تھک جانے پر چھوڑ دینی چاہئے عبداللہ بن مسلمہ مالک سے وہ ہشام بن عروہ سے وہ اپنے والد سے اور وہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے یہ نقل کرتے ہیں کہ بنو اسد کی ایک خاتون میرے یہاں رہنے لگیں، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور پوچھا کہ یہ کون ہیں؟ میں نے کہا فلاں خاتون! رات کو سوتی تک نہیں (رات بھر) ان کے نماز پڑھنے کا ذکر کیا، لیکن آپ نے فرمایا کہ بس! تم لوگوں کو اپنی برداشت کے مطابق عمل کرنا چاہئے، کیونکہ اللہ تعالیٰ (ثواب دینے سے) اس وقت تک نہیں اکتا تا جب تک تم خود نہ اکتا جاؤ (اور تمہارا نشاط باقی نہ رہے) (بخاری: **مایکرہ من التشدید في العبادۃ**)

عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا: اے عبداللہ! تم بھی فلاں کی طرح نہ ہو جانا، وہ پہلے رات میں عبادت کرتے تھے، لیکن پھر چھوڑ دی۔ (بخاری- **باب مایکرہ من ترک القیام لمن کان یقومہ**)

ابو العباس نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے یہ حدیث سنی تھی، انھوں نے بیان کیا کہ مجھ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ کیا یہ خبر صحیح ہے کہ تم رات بھر نماز پڑھتے ہو اور دن کے روزے رکھتے ہو، میں نے عرض کی کہ میں ایسا کرتا ہوں، تو آپ نے فرمایا: لیکن اگر تم ایسا کرو گے تو تمہاری آنکھیں کمزور ہو جائیں گی اور تم خود دست پڑ جاؤ گے، پھر تم پر تمہاری جان کا بھی حق ہے، بیوی بچوں کا بھی حق ہے، اس لئے روزے بھی رکھو! لیکن بے روزے کے بھی دن گذارو۔ رات کو سوؤ بھی اور عبادت بھی کرو۔ (ایضا)

اس طرح کی احادیث ذخیرۂ حدیث میں بکثرت موجود ہیں، جن میں آں حضور ﷺ نے عبادت میں شدت اختیار کرنے پر ناگواری اور ناراضگی کا اظہار فرمایا ہے، لیکن ان کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ عبادت میں اپنے اوقات زیادہ گزارنا اللہ تعالی کی نظر میں پسندیدہ نہیں ہے، خود قرآن میں بہت سی ایسی آیتیں مل جائیں گی جن میں عبادت وعمل میں زیادتی کی تعریف کی گئی ہے:

كَانُوا قَلِيلًا مِنَ اللَّيْلِ مَا يَهْجَعُونَ وَ با الاَ سْحَارِهُمْ يَسْتَغْفِرُ ونَ وَفِي أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِلسَّائِلِ وَالمَحرُومِ (ذاریات)

وہ تھے رات کوتھوڑا سوتے اورصبح کے وقتوں معافی مانگتے اوران کے مال میں حصہ تھا مانگنے والوں کا اور ہارے ہوئے کا۔

الَّذِينَ يَذ كرُونَ اللّٰهَ قِيَامًا وَقُعُودًا وَعَلَى جُنُوبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُونَ فِي خَلْقِ السَّمَوَاتِ والأَرضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هَذَا بَاطِلا (آل عمران)

وہ جو کہ یاد کرتے ہیں اللہ کو کھڑے اور بیٹھے اور کروٹ پر لیٹے، اورفکر کرتے ہیں آسمان اور زمین کی پیدائش میں، کہتے ہیں اے ہمارے رب! تونے یہ عبث نہیں بنایا۔

تَرَاهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا - سِيمَاهُمْ فِي وُجُوهِهِمْ مِنْ آثَرِ السُّجُودِ. ذَالِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرَاةِ وَمَثَلُهُمْ فى الانجيل (فتح)

تو دیکھے ان کورکوع میں اور سجدے میں ڈھونڈ ھتے ہیں اللہ کا فضل اوراس کی خوشی -نشانی ان کی ان کے منہ پر ہے، سجدے کے اثر سے، یہ شان ہے ان کی توراۃ میں۔اور مثال ان کی انجیل میں۔

اسی طرح ذخیرۂ حدیث میں ایسی احادیث کی بھی کمی نہیں جن میں اقتصاد اور میانہ روی کے ساتھ زیادہ سے زیادہ عمل اور عبادت کی ترغیب موجود ہے۔

اس سلسلہ میں بنیادی طور پر قابل غور شریعت کا یہ طرز اور اصول ہے کہ بہت سے امور جو اللہ تعالی کی بارگاہ میں مقبول اور پسندیدہ ہوتے ہیں، لیکن کسی بھی مصلحت کی وجہ سے ان کی ممانعت کر دی جاتی ہے، اسی طرح بہت سے امور ناپسندیدہ، ناگوار اور مبغوض ہوتے ہیں، لیکن مصالح ہیں جن کی وجہ سے شریعت نے ان کی اجازت دے رکھی ہے، طلاق کے متعلق خود حدیث میں ہے کہ یہ ابغض المباحات ہے، اللہ تعالی نے جتنی چیزیں مباح اور جائز قرار دی ہیں، ان میں سب سے زیادہ خداوند تعالیٰ کو ناپسندیدہ یہی طلاق ہے، لیکن اس کے ساتھ بہت سی انسانی ضروریات وابستہ ہیں، معاشرتی زندگی کے لئے صرف احتیاج کی حد تک نہیں، بلکہ بعض اوقات ضروری ہو جاتا ہے کہ میاں بیوی میں تفریق کرادی جائے، اس لئے اس

ناگواری کو بھی گوارا کرنا پڑا اور طلاق جائز رہی، حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ عائشہ رضی اللہ عنہا کے یہاں تشریف لے گئے، عید کا دن تھا، وہاں انصار کی دو بچیاں اوس وخزرج کے مشہور اور خوں ریز معرکے بغاث کے موقعہ پر کہے ہوئے اشعار پڑھ رہی تھیں، آں حضور ﷺ بستر پر لیٹ گئے اور چہرہ دوسری طرف کرلیا۔ تھوڑی دیر بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تشریف لائے، آپ نے ڈانٹا کہ یہ شیطانی حکت نبی کریم ﷺ کے گھر میں ہورہی ہے، لیکن نبی کریم ﷺ نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کو فرمایا کہ انھیں پڑھنے دو، ہر قوم کی عید ہوتی ہے، اور یہ ہماری ہے، روایتوں میں ہے کہ اس وقت نبی کریم ﷺ نے چہرہ پر چادر ڈال لی تھی، جس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ آپ نے نہ صرف یہ کہ اس کی کوئی ہمت افزائی نہیں کی بلکہ اپنی عدم رضا کا اظہار اس طرز عمل سے کیا، لیکن بصراحت منع بھی نہیں کرتے، کیونکہ اس حد تک غنا کو بہر حال مباح رہنے دینا تھا۔ اسی طرح صوم دہر یا پورا قرآن ایک رات میں ختم کر لینے کی ہمت افزائی آں حضور ﷺ نے نہیں فرمائی، بلکہ آپ سے اس کی ممانعت موجود ہے، لیکن کیا ان کے عبادت ہونے سے بھی کسی کو انکار ہوسکتا ہے؟ صومِ وصال اگر عبادت نہ ہوتا تو خود آں حضور ﷺ کیوں رکھتے؟ اور اگر راتیں عبادت کرتے کرتے گزار دینا خدا کے نزدیک پسندیدہ نہ ہوتا تو آں حضور ﷺ اتنی عبادت کبھی نہ کرتے کہ آپ کے پاؤں بھی سوج جائیں، لیکن عبادت میں یہ عزم واستقلال ہر شخص کے بس کا روگ نہیں۔ یہ نبی جیسے صاحب عزیمت کے لئے ہی زیب دیتا ہے، اس لئے آں حضور ﷺ خود صوم وصال یعنی کئی کئی دن درمیان میں افطار وسحر کے بغیر روزے رکھتے تھے، لیکن دوسروں کو آپ نے منع کردیا تھا۔ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی اداشناسی دیکھئے کہ آں حضور ﷺ کی طرح بعض صحابہ صومِ وصال رکھتے تھے۔ چناں چہ ابوبکر صدیق اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم سے صوم وصال رکھنا منقول ہے، ہر نماز کے لئے وضو ضروری نہیں ہے، وضو اگر باقی رہ جائے تو دن کی پانچوں نمازیں اس سے پڑھی جاسکتی ہیں، خود آں حضور ﷺ ایک وضو سے کئی نمازیں پڑھتے تھے، لیکن ابن عمر رضی اللہ عنہ کا طرز عمل یہ تھا کہ آپ ہر نماز کے لئے وضو کرتے تھے، ان کا کہنا یہ تھا کہ وہ اپنے اندر اتنی قوت اور جذبہ پاتے ہیں کہ ہر نماز کے لئے پہلے سے باوضو ہونے کے باوجود، وضو کریں، چناں چہ ان کا یہی معمول تھا اور وہ ہر نماز کے لئے وضو کرتے تھے، مسواک سنت ہے اور اللہ تعالی کی نظر میں بہت ہی پسندیدہ، لیکن آں حضور ﷺ اس کے لئے صرف اس حد تک ارشاد فرماتے ہیں کہ اگر میری امت پر شاق نہ گزرتا تو میں مسواک کا حکم دے دیتا، اس سے مسواک کی اہمیت اور فرض یا واجب نہ ہونے کی مصلحت کا پتہ چلتا ہے۔ حضور اکرم ﷺ کے یہاں حج کا ذکر چل رہا تھا، اقرع بن حابس رضی اللہ عنہ نے پوچھ لیا کہ یا رسول اللہ! کیا حج ہر سال کیا جائے گا؟ اس پر حضور اکرم ﷺ کو ناگواری ہوئی اور فرمایا کہ اگر

میں ہاں کہہ دیتا تو ہر سال فرض ہو جاتا، حالاں کہ تم لوگوں میں اتنی استطاعت نہیں تھی، کیا اس حدیث کی بنیاد پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ حج ہر سال نہ کرنا چاہیے؟ ظاہر ہے کہ ہر سال حج کرنے والا بہت بڑے ثواب کا مستحق ہے، لیکن مصلحت تھی کہ یہی بات دریافت کرنے پر حضور اکرم ﷺ کو ناگواری ہوئی، لیکن دوسرے مواقع پر اسی کی ترغیب آپ نے بارہا دی، پس اس میں شبہ نہیں کہ ہر سال حج ایک عظیم عبادت ہے، صوم دہر بھی عبادت ہے، پوری رات نماز پڑھتے ہوئے گزار دینا بھی عبادت ہے، لیکن ان پر موقعہ بہ موقعہ تنبیہ کی گئی کہ زمانہ نزولِ وحی کا تھا، ہر شخص کو عبادت کا شغف اور شوق تھا، اگر ان سے کچھ نہ کہا جاتا اور اسی حال پر رہنے دیا جاتا تو اس زمانہ میں بھی اور خاص طور سے ان کے بعد بہت سے مفاسد کے دروازے کھل جاتے، اس کی سب سے واضح مثال نماز تراویح ہے، رمضان میں حضور اکرم ﷺ نے نماز شروع کی، رات کا وقت تھا، بعض صحابہ اقتدا کی نیت سے آپ کے پیچھے نماز میں شریک ہو گئے، صبح ہوئی تو اس کا چرچا ہوا، دوسری رات میں اس سے بھی زیادہ صحابہ شریک تھے۔ اب بالکل بات پھیل چکی تھی، چناں چہ تیسری رات نمازیوں کی کثرت سے مسجد میں تل رکھنے کو بھی جگہ نہیں تھی، لیکن حضور اکرم ﷺ نے اس دن نماز نہیں پڑھائی اور پھر فرمایا کہ اور تو کوئی بات نہ تھی، لیکن خیال یہ ہوا کہ کہیں تمہارے اس شوق و ذوق کو دیکھ کر یہ نماز فرض نہ کر دی جائے اور پھر تم اس پر عمل نہ کر سکو۔ حضور اکرم ﷺ کی وفات ہو گئی تو عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں یہی نماز اسی صورت سے پڑھائی جسے نبی کریم ﷺ نے چند دن پڑھا کر چھوڑ دیا تھا۔ اس کی مثالیں شریعت میں ایک دو نہیں بلکہ بہ کثرت ہیں۔

شریعت اپنے احکام میں انسان کی فطرت وطبیعت کی تمام نزاکتوں کا پورا لحاظ رکھتی ہے، لوگوں کی طبیعتیں مختلف ہوتی ہیں، بعض لوگ طبعاً تن آسانی پسند ہوتے ہیں، کچھ طبیعتیں سست اور کاہل ہوتی ہیں اور کچھ چست، چاق چوبند، لیکن ہمتیں اور عزائم بلند نہیں ہوتے، اور بعض لوگ جن کی تعداد کسی بھی معاشرہ میں عموماً بہت کم ہوتی ہے بڑے جواں عزم، بلند ہمت اور قوی العمل ہوتے ہیں، پھر مختلف طبائع میں کم وکیف کے اعتبار سے بھی فرق ہوتا ہے، اس لئے شریعت اپنی ترغیبات وترہیبات میں بھی ان تمام نزاکتوں کا خیال رکھتی ہے۔ ہر شخص کے سامنے ترغیب وترہیب کا ایک ہی طریقہ مناسب نہیں ہو سکتا، آپ ایک بزدل اور کمزور طبیعت انسان کو اولوالعزموں کے واقعات سنا کر اور ساری دنیا کی بادشاہت کا لالچ دے کر بھی بہادر اور جواں عزم نہیں بنا سکتے۔ اسے اگر آمادۂ عمل کرنا اور کچھ کام لینا ہے تو اس سے اس کے مزاج اور طبیعت کے مطابق ہی اپیل کرنی ہوگی۔ اگر اس کا لحاظ نہ رکھا گیا تو شاید وہ کام بھی اس سے نہیں لیا جا سکتا جس کی توقع پہلی صورت میں اس سے کی جا سکتی تھی۔ ایک بخیل اور ممسک کو اپنا سارا مال و دولت خدا کی راہ میں لٹا دینے کی دعوت دینا

حماقت ہے، لیکن ایک سخی، بلند ہمت، خدا اور رسول سے محبت رکھنے والا بغیر دوسروں کی ترغیب کے بھی اپنا سب کچھ خدا کی راہ میں دے سکتا ہے، حضور اکرم ﷺ کا یہی طرزِ عمل تھا، بہت سے صحابہ نے راہ خدا میں اپنا مال و دولت آں حضور ﷺ کے سامنے پیش کی، لیکن آپ نے منع کر دیا، صحابہ نے اپنے عزم، ہمت، خدا اور اس کے رسول سے محبت کا ثبوت دیا تھا، لیکن آں حضور ﷺ ان کے ماحول سے اور ان تمام عوامل و اسباب سے پوری طرح واقف تھے جو کسی بھی وقت ان کے لئے یا ان کی اولاد کے لئے پریشانی کا باعث بن سکتے تھے، صرف اوامر و نواہی تک محدود نہیں۔ شریعت اپنی ترغیبات و ترہیبات میں بھی اس کا لحاظ رکھتی ہے کہ کسی قسم کی زیر باری نہ ہونے پائے، کسی کے عمل سے اگر اس کے اعزہ و اقربا زیر بار ہوں تو شریعت نے اس میں بھی بڑے اعتدال کے ساتھ خاندان کے ایک ایک فرد کو برتا ہے۔

(بقیہ: ص/ ۱۹ کا) اسی عمل پر قائم رہیں، اور اگر دوسرے حصے میں کھڑے ہوئے ہیں تو اس روش کو بدلئے اور خود میں تبدیلی لائیے تاکہ کامرانی اور راحت آپ کو ملے اور مخلوقِ خدا کا خیال آپ کے بارے میں بدلے۔ ایک آدمی دوسرے آدمی سے چاہتا کیا ہے؟ خیر ہی کی تو اسے ضرورت ہوتی ہے، اسے اگر خیر نہ ملے وہ شر سے بچنا چاہتا ہے اور بچ نہیں پاتا تو دونوں صورتوں میں آدمی آپ سے دور بھاگے گا۔ اور اگر آپ میں بھلائی ہے تو ہر شخص آپ کے قریب آنا چاہے گا۔ رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات کا بنیادی رخ یہ ہے کہ آدمی اچھائیاں اور نیکیاں اختیار کرے اور برائیوں سے خود کو دور کرے، اس لیے کہ اچھائی کی بنیاد پر ہی ہماری آئندہ کی زندگی کا دارومدار ہے اور چوں کہ وہی اصل اور حقیقی زندگی ہے اسی لیے ہمیں اسی زندگی کی فکر زیادہ ہونی چاہیے اور اسی کی تیاری میں خود کو مصروف رکھنا چاہیے۔ لایعنی اور بے معنی باتوں میں وقت نہ ضائع کرنا چاہیے، یہ جو وقت گزر رہا ہے اس کی ہمیں فکر کرنی ہوگی، اس لیے کہ وقت سے ہی عمل کا تعلق ہے اور وقت ہی کے اندر آدمی اچھے کام انجام دیتا ہے اور سکون کی زندگی پاتا ہے۔

☆——☆——☆

اِفادَاتِ رُومی

فخر المحدثین حضرت مولانا سید انظر شاہ کشمیریؒ

آج ذی الحجہ کی ۱۰/ تاریخ ہے، اور شب، شبِ عید ہے، مغرب کی نماز وغیرہ سے فارغ ہو کر حسب معمول حضرت روم کی پاکیزہ مجلس میں حاضری ہوئی۔ آج مولانا کی تمام تر توجہ احسانی زندگی کے بعض لا ینحل عقدوں کی طرف تھی، ارشاد فرما رہے تھے کہ بعض ساکنین بڑے زمانے تک ہو، حق لا اللہ الا اللہ، اللہ اللہ اکبر کے نعرے صبح وشام بلکہ ہر وقت لگاتے رہتے ہیں لیکن اس کے باوجود جب بظاہر فتح باب نہیں ہوتا تو مایوس ہو جاتے ہیں، بعض تنگ آ کر اس راہ ہی کو چھوڑ بیٹھتے ہیں۔ اور ایسے بیزار ہو جاتے ہیں کہ تصوف کے نام ہی سے ان کو چڑ ہو جاتی ہے۔ فرمایا کہ شیطان کے وساوس جو انسان کی راہ مارنے میں وہ صرف کرتا ہے انھیں حربوں میں یہ بھی اس کا ایک کامیاب حربہ ہے۔ اس ذیل میں مولانا نے ایک دلچسپ واقعہ کا آغاز کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

آں یکے اللہ می گفتی شباں ☆ تا کہ شیریں می شد از ذکرش لباں

جو کچھ فرمایا حاصل اس کا یہ ہے کہ ایک صاحب تمام رات اللہ ہو اللہ ہو کرتے اور اسی ذکر سے ان کی زبان تر رہتی، نہ اس کے سوا ان کا مشغلہ تھا اور نہ اس صدا کے سوا کوئی ان کے یہاں آواز تھی۔ اچانک ایک رات شیطان کلبۂ احزان میں اتنے آہستہ سے داخل ہوا کہ اس کی آمد و رفت کا احساس بھی ممکن نہیں اور اس ذاکر دشاغل سے بولا کہ بھلا بتاؤ کب تک یہ خالی پھیکے نعرے اور تابہ کے یہ ہاؤ ہو۔ تم تو اللہ اللہ کہتے تنگ آ گئے اور اللہ ہیں کہ ایک بار بھی تمہاری ان بے تابانہ صداؤں کا جواب نہیں دیتے۔ شیطان کی بات کچھ ایسی تھی کہ دل کا چور یہی ثابت ہوا۔ وسوسہ انداز (شیطان) کا یہ تیر نشانہ پر بیٹھا اور جن کی رات ذکر کی مترنم صداؤں سے لبریز تھی۔ ایک مرتبہ واقعی سوچنے لگے کہ ہے یہ کیا بات کہ ہم تو صدا لگاتے لگاتے عاجز ہو گئے اور ادھر سے اتنی بے نیازی کہ جواب ہی ندارد- یہ سوچا اور ذکر شغل، شب بیداری اور سحر خیزی سب کچھ چھوڑ چھاڑ دیا۔ جب شکستہ دلی کی حد ہو گئی تو ایک رات خضر علیہ السلام کو خواب میں دیکھا۔ دیکھا کہ ایک سبزہ زار

ہے، ٹھنڈے سائے دور تک پھیلے ہوئے ہیں۔ شاداب روشیں، پھولوں سے لدے ہوئے درخت، دھیمی اور خنک ہوا، نرم رو پانی، ہر طرف سبزہ، چہار جانب سبزی، باغ کے ایک خوشنما منظر میں خضر خجستہ پے سامنے، جب یہی ذاکر ہوا تو خضر نے بڑھ کر دریافت کیا کہ کیوں صاحب! وہ نورانی راتیں، وہ نورانی اعمال، وہ ذوق وشوق، وہ بے تابانہ صدائیں کیا ہوئیں؟

جواب کہ بہت ڈھونڈا وہ ملے نہیں، بڑا پکارا، لیکن کوئی جواب نہیں، مجھے تو یہ خطرہ ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ میں راندۂ درگاہ ہوں، جب ہی تو ؎

یاں لب پہ لاکھ لاکھ سخن اضطراب میں ☆ واں ایک خامشی مری سب کے جواب میں

۱۰/ ذی الحجہ کی شام ہے، انقلاب دہر کی بوقلمونیاں، کل شام جس عید کا انتظار تھا آج وہ عید اپنے تمام ہنگاموں کے ساتھ گزر چکی ۳۵ سال سے زندگی بارِ دوش ہے، پوری زندگی میں یہ پہلی عید تھی کہ والدہ صاحبہ ساتھ نہیں۔ وہ حج بیت اللہ کے لئے تشریف لے گئیں، خدا تعالیٰ بعافیت گھر پہنچائے۔ بہر حال آج والدہ کے ساتھ نہ ہونے سے عید خاصی بے کیف گزری۔ جی بہلانے کے لئے مغرب بعد مثنوی کھول لی۔ مولانا علوم ومعارف کے وہی موتی لٹا رہے تھے، حکایت اسی ذاکر مایوس کی چل رہی تھی کہ خضر علیہ السلام کے سوال پر اس نے اپنی مایوسیوں کا سبب بتایا تھا۔ جب وہ اپنا سارا دکھڑا سنا چکا تو خضر نے اس سے کہا کہ دیکھو! خدا تعالیٰ نے مجھ کو تمہارے پاس ایک خاص پیغام لے کر بھیجا ہے۔ پیغام کیا ہے، محبوب کا عاشق کے نام، طالب کے نام مطلوب کی بشارت، کہا یہ ہے کہ تم یہ سمجھتے ہو کہ تمہاری بے تابانہ برابر صداؤں کا ہماری بے نیاز سرکار سے جواب ہی نہیں اے عاشق ضائع کردہ صبر! اس حقیقت پر تیری نظر ہی نہیں کہ اللہ اللہ کی یہ توفیق، ہوحق کے یہ دل سوز نعرے، راتوں کی یہ بے قراری، دل میں یہ سوز وساز، تڑپ، بے چینی، یہی تیرے عاشقانہ اور مستانہ نعروں کا جواب ہے، اگر ہم تیری طرف متوجہ ہوتے تو کب یہ سوز وساز باقی رہتا، اور گرم نالے، بہتے ہوئے آنسو، ٹوٹا ہوا دل کہاں سے آتا۔ عشق کے اس بلا انگیز دریا پر تجھ کو لاکر ہم نے کھڑا کیا۔ ذکر و یاد کی یہ پرسوز صدائیں ہمارا فیض ہے۔ بلکہ جاذبہ ہمارا ہی تھا کہ عشق کی حرارت سے تیرا درون آتش دان بن گیا، مختصر یہ ہے کہ تو جب یارب کہتا ہے، جواب ہمارا ہی ہوتا ہے اور زبان تیری۔

اس نکتہ پر کہ توفیق اعمال ہی اصل میں خدا تعالیٰ کے خوش ہونے کا ایک معیار ہے۔ یعنی بندہ کو اگر عمل صالح کی برابر توفیق مل رہی ہے یہی اس بات کی کھلی علامت ہے کہ معبود، مطلوب، عابد، طالب پر نگاہ التفات رکھتا ہے، روشنی ڈالنے کے بعد مولانا پرجوش انداز میں فرمانے لگے کہ میاں! عشق کا یہ غم بڑے پیروزہ بختوں کو ہاتھ لگتا ہے۔ یہ لازوال دولت نہ قارون کو میسر اور نہ فرعون کو نصیب۔ فرمایا کہ فرعون کو کیا

کچھ نہ دیا گیا تھا، اتنی لمبی چوڑی سلطنت، وسیع اور شاداب علاقہ، زرخیز زمین، بہتے ہوئے دریا، فوج کے پرے، قصور ومحلات، خدم وحشم اتنا کچھ دیا گیا تھا کہ خدائی کا دعوی ہی کر بیٹھا۔

دادمر فرعون راصد ملک ومال ☆ تا کہ کر داودعوی عز وجلال

لیکن خزانہ لبریز اور جس سے خالی تھا وہی یہ غم کا لازوال خزانہ اور لافانی دولت تھی۔ خوب کہہ گیا ہے سرمد۔

سرمد غم عشق ہر بوالہوس را نہ دہند ☆ سوز دل پروانہ مگس را نہ دہند

مدتے باید کہ یار آید بکنار ☆ این دولت سرمد ہمہ کس را نہ دہند

اس کے بعد مولانا نے اس غم کی قیمت پر خوب خوب نکتہ آرائی فرمانے کے بعد فرمایا کہ ارے میاں! دنیا میں اگر کوئی چیز حاصل کرنے کی ہے تو بس یہی ہے، ان صبر آزما مرحلوں کو صبر ہی سے طے کرنے کی ضرورت ہے، فرمایا کہ اس راہ پرخار میں دو ایسی گراں قیمت اور کارآمد چیزیں ہیں کہ کشائش کار صرف انھیں پر موقوف ہے۔ ایک تو جدوجہد اور دوسرے کشود کار کے لئے صبر

ع بے جہاد و بے صبر کے باشد ظفر

فرمایا کہ آدمی میں صبر واستقلال ایک ایسا وصف ہے جس کی بنا پر وہ ہزارہا مشکلات کو انگیز کر لیتا ہے، ہمت بڑھانے کے لئے بہت پر جوش طریقہ پر ارشاد ہوا کہ یہ کیا گھاس کی سی زندگی گزار رہے ہو کہ ہوائیں چلتی ہیں تو اس کا ریشہ ریشہ کانپ اٹھتا ہے، لرزتا ہے، تھراتا ہے، ارے پہاڑوں سے استقلال سیکھو کہ آندھیاں اٹھتی ہیں، جھکڑ چلتے ہیں، طوفان مچلتے ہیں۔ لیکن پہاڑ ان آفات کو خاطر میں بھی نہیں لاتا۔ فرمایا کہ اس راہ میں وساوس انداز بھی ہر موڑ پر کھڑے نظر آئیں گے اور نہ صرف نظر ہی، بلکہ سمجھائیں گے کہ وہ ہی اس طریق میں سب سے زیادہ ماہر اور کامیاب راہ نما ہیں، اس لئے تم ان کی راہ نمائی قبول کرلو۔

ہر طرف غولے ہمی خواند ترا ☆ کائے برادر راہ خواہی ہیں بیا

فرمایا کہ خبردار! ان وسوسوں پر کان نہ دھرنا، یہ فریب کی آواز اور مکر کی راہ نمائی ہے، یہ بھیڑیا ہے، اور اے یوسف! تجھ کو اپنا شکار بنا لینا چاہتا ہے، احتیاط کو کام میں لانا اور حزم کو ہاتھ سے نہ چھوڑنا! فرمایا کہ شیاطین جو انسان کی راہ مارنے کی فکر میں ہر وقت گھات لگائے ہوئے ہیں، صبح ہی صبح تیرے دروازۂ دل پر آ کر بڑی محبت اور چاؤ سے تجھ کو دعوت دیتے ہیں، لیکن دیکھ! کہیں ایسا نہ ہو کہ اس فریب کی آواز پر تو دل دے بیٹھے۔ یاد رکھ جب یہ دعوت دے تو کوئی نہ کوئی بہانہ کر دینا، مثلاً یہی کہ بدہضمی ہے کھا نہیں سکتا، اشتہا نہیں، سر میں گرانی ہے، وغیرہ وغیرہ، بہت پر جوش انداز میں فرمایا کہ یہ دنیا کس کام کی اور کیسے اس کے

مناظر! ارے ایک مرتبہ تریاق دیتی ہے تو سو بار زہر کے پیالے پلاتی ہے۔ کیا خاک لطف اس لذت میں جس کی تہ میں زہر قاتل کی سمیت چھپی ہوئی ہو۔

ارشاد ہوا کہ ارے میاں! جس کے عاشق ہو اسی سے لو لگائے رکھو! لیلیٰ کو چھوڑ کر مجنوں کی کسی اور ادا پر نظر بھی تو نہ پڑی۔ فرہاد سوائے شیریں کے اور کسی کا مشتاق نہ ہوا تو تم کو کب یہ زیبا ہے کہ اللہ قاضی الحاجات کو چھوڑ کر دوسروں کو خدا بنالو۔ فرمایا کہ غور سے دیکھو! محبوب حقیقی خود تمہارے اندر جلوہ گر ہے، حق سے نظر جب بھی ہٹاؤ گے تو یاد رکھو کہ خدا سے تعلق صاف کٹ جائے گا۔ ارشاد ہوا کہ دنیا نے اپنی طرف متوجہ کرنے کے لئے ایک سنہری جال بچھا رکھا ہے، اور جال کے قریب میں کچھ وہ چیزیں ڈال دیں جن پر انسان ریجھتا ہے۔ جس طرح شکاری جال لگا کر یا اس میں دانہ ڈال دیتا ہے، یا کسی جانور کو جال کے قریب بٹھا دیتا ہے اور جب وہ پھڑ پھڑاتا ہے یا آواز نکالتا ہے تو دوسرے پرندے یہ سمجھ کر کہ ہمارا ہم جنس ہے سادگی سے چلے آتے ہیں اور پھنس جاتے ہیں، لیکن جس پرندہ نے احتیاط سے کام لیا وہ شکاری کے اس پرانے فریب سے خود کو بچا لیتا ہے۔ فرمایا کہ اکثر مصیبتیں بس اسی بے احتیاطی کے نتیجہ میں آتی ہیں۔ اور بے احتیاطی کا لازمی نتیجہ شرمندگی ہے، بلکہ شرمندگی کیا، دین تک سے کبھی ہاتھ دھونا پڑتا ہے۔

زانکہ بے خبری شقاوت بر دہد ☆ دیں رود از دست و دردسر دہد

دین کی حفاظت اور اس دولت کی پوری پوری احتیاط کی طرف توجہ دلاتے ہوئے مولانا کے حقیقت رقم قلم نے یہ حکایت سنانا شروع کی ہے۔

اے برادر بود اندر ما مضے ☆ شہری با روستائی آشنا

حاصل اس حکایت کا یہ ہے کہ ایک گاؤں میں رہنے والے کے شہر کے کسی معزز سے بڑا تعلق اور دوستانہ مراسم تھے۔ گاہے گاہے یہ دہقانی شہر آتا اور خواجہ کے یہاں مقیم ہوتا، خواجہ دہقانی کی مہمان داری، خاطر تواضع، پر تکلف کھانے، لذیذ ترین ماکولات و مشروبات سے پیشوائی کرتا اور ہر طرح آرام و راحت پہنچانے کی کوشش ہوتی، دہقانی آتا اور کبھی تو ایسا بھی ہوتا کہ دو دو تین تین ماہ خواجہ کا مہمان رہتا۔ ایک مرتبہ اسی دہقانی نے خواجہ سے عرض کیا کہ مدتوں سے ہمارا اور آپ کا مخلصانہ تعلق ہے، بارہا میں آپ کے یہاں ٹھیرا اور آپ نے راحت و آرام پہنچانے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا، اب جی یہ چاہتا ہے کہ آپ بھی کم از کم ایک مرتبہ میرے یہاں ضرور آئیں تاکہ میں بھی آپ کی کچھ خدمت کرسکوں، خواجہ نے کہا: ہاں جی تو میرا بھی تمہارے یہاں آنے کو بہت چاہتا ہے، لیکن کیا کروں، فلاں مجبوری ہے، فلاں مہمان آیا ہوا ہے، وہاں سے کچھ دوست آنے والے ہیں، یہاں سے کچھ عزیز واقارب جانے والے ہیں، ان کی روانگی کے وقت یہاں رہنا ضروری ہے۔ غرضیکہ اسی

طرح وہ دہقانی کوٹالتا رہتا۔ دہقانی کا اصرار بڑھتا تو خواجہ بھی اپنے خاص خاص اعذار بیان کرتے۔ ایک دفعہ دہقانی نے کہا کہ اس دفعہ تو ضرور چلئے! کیسا پر بہار موسم ہے، اودے اودے نیلے نیلے بادل کے ٹکڑے آسمان پر محیط ہیں۔ کبھی ترشح، کبھی موسلا دھار بارش، پھولوں سے لدے ہوئے درخت، پھلوں سے جھکی ہوئی ٹہنیاں بہتی ہوئی ندی کا زیر و بم، وقت عیش و راحت اور نشاط و بہجت کا ہے۔ خواجہ کے لڑکوں نے بھی اصرار کیا کہ ابا! جب یہ سالہا سال سے بلاتے ہیں اور موسم بھی خوشگوار ہے تو آپ کو چلنے میں تامل کیوں؟

بیٹوں کے اصرار پر خواجہ نے جو جواب دیا۔ مولانا نے اسی کو سنانے کے لئے یہ ساری حکایت سنائی، جواب اس خواجۂ با تدبیر کا یہ تھا۔

گفت حق است ایں ولے اے سیبویہ☆اتق من شر من احسنت الیه

یعنی جس شخص کے ساتھ دوستی و تعلق اور خصوصاً حسن سلوک کا معاملہ رہا ہو اس کے ساتھ بہت زیادہ خلط ملط اور اختلاط سے پرہیز کرنا چاہئے، کیونکہ ہوسکتا ہے اس سے یا تم سے کوئی ایسی بات سرزد ہو جائے جو بدمزگی کا باعث ہو اور قطع تعلق پھر دشمنی وعداوت کا مظاہرہ ہو، ایک دوسرے پر اپنے احسانات جتلائیں اور اس طرح کیا تھا احسان اجر آخرت کے لئے، بجائے اجر کے احسان جتلانے کا عذاب پلّے پڑے۔ خواجہ نے کہا: اس لئے ان تمام خطرات کے پیش نظر دوستوں اور جن لوگوں پر تم نے احسانات کئے ہوں ان سے ملنا بس رسمی سا ہو، خواجۂ با تدبیر کی اس دور بینی اور دور اندیشی حزم واحتیاط پر مبنی اس جواب کو سنانے کے بعد خود مولانا نے فرمایا: ارے میاں! دوستی ایک کاٹ ڈالنے والی تلوار ہے، بلکہ یوں کہو کہ بہار کے شاداب وخوش گوار موسم کے لئے خزاں کا جھاڑ ہے، اور بعض اوقات بعض تعلقات موسمِ بہار کی طرح پر لطف بھی ہوتے ہیں، ان سے فائدہ بھی ہوتا ہے اور راحت پہونچتی ہے، لیکن اس کے باوجود حزم واحتیاط کا تقاضا یہی ہے کہ ہمیشہ دوستی کو بری ہی نظروں سے دیکھنا چاہئے اور بجائے اس کے اچھے پہلوؤں کے نظر ان مفاسد پر رہے جو عموماً دوستی، تعلقات کے نتیجہ میں سامنے آتے ہیں۔ فرمایا کہ اگر اس نکتہ پر کاربند رہے تو پھر دوستوں کے اس آزار سے بچ جاؤ گے جو اکثر سوہان روح بن جاتے ہیں۔ پرجوش انداز میں فرمایا کہ میاں! اکثر وہی ہرنیں جال میں پھنستی ہیں جو سبز سبز اور لہلہاتے ہوئے کھیتوں میں بلا سوچے سمجھے منہ ڈالتی ہیں، ادھر دوڑتی ہیں ادھر بھاگتی ہیں، خوب کلیلیں کرتیں اور بھول کر بھی ان کو یہ خیال نہیں آتا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ کسی شکاری نے کہیں قریب میں جال لگا رکھا ہو۔ فرمایا کہ بس دوستی کے اچھے پہلوؤں پر نظر رکھنے والے اور خطرناک پہلو سے غفلت کرنے والے کی مثال اس ہرنی کی طرح ہے جتنے جست لگائی تھی ہریالی پر منہ ڈالنے کے لیے اور چوکڑی اس کی جال کے پھندوں میں الجھ کر رہ گئی۔

اس کے بعد مولانا غرور و کبر اور اس کی قباحتوں کو بیان کرنے کی طرف متوجہ ہو گئے۔ فرمایا کہ غرور و کبر حزم و احتیاط کے دشمن ہیں۔ یہ متکبرین نہ آگے کی سوچتے ہیں اور نہ پیچھے کی، زمین پر ان کا رویہ بڑا گستاخانہ ہوتا ہے، لیکن گورستان کے ویرانوں میں ان کی ٹوٹی پھوٹی قبروں میں جوان کی بچی کھچی ہڈیاں اور سر پر غرور کے آثار باقیہ یعنی کھوپڑی سے پوچھو کہ وہ سب تمکنت و بے جا وقار کہاں گیا۔

چوں بگورستان روی اے مرتضیٰ ☆ استخوان شان راپرس از ما مضیٰ

تابظاہر بینی آن مستان زور ☆ چون فرو رفتند درچاہ غرور

فرمایا کہ کسی چیز کو معلوم کرنے کے لیے اول تو چشم بصیرت کی ضرورت ہے، اور اگر یہ نہ ہو تو پھر استدلال کا عصا ہی ہاتھ میں ہو۔ مطلب یہ کہ اگر بصیرت سے حقائق کو معلوم کرنے کی صلاحیت نہیں تو پھر دلیل ہی سے پہچانے۔ مثلاً خداشناسی تو فطرت سلیم کا تقاضا ہے، اور اگر فطرت سلیم سے محروم ہے تو پھر کائنات ہی میں غور و فکر کر کے خدا کو ڈھونڈ نکالے کہ تمام کائنات خدا کے وجود پر ایک دلیل ہے، بہر حال اگر کسی کو بصیرت اور استدلال دونوں سے محرومی ہے تو پھر اس کو اندھوں کی طرح احتیاط سے قدم اٹھانا چاہئے، فرمایا کہ اندھوں کو دیکھا ہے کہ کس طرح ایک قدم اٹھاتے ہیں اور دوسرا قدم اس وقت تک نہیں اٹھاتے تاوقتیکہ پہلا قدم صحیح جگہ نہ پڑ گیا ہو۔ فرمایا کہ میاں یہ کہاں کی عقلمندی ہے کہ دھوئیں کی اذیت سے بچنے کی کوشش کی اور پھر جا پڑے جلا دینے والی آگ میں، اور کہاں کی یہ فرزانگی ہے کہ لقمے کی تلاش میں سفر کیا اور خود اژدر کا لقمہ بن گئے۔ مولانا کا اشارہ اس طرف تھا کہ معاش کی الجھنوں سے تنگ آ کر چند لقموں کی طلب انسان میں پیدا ہوئی، لیکن وہی مال و منال جو دنیا کے بکھیڑوں سے نجات پانے کے لیے جمع کیا گیا صرف اس وجہ کر کہ ایسے طور پر اس کا خرچ نہ ہو سکا۔ جمع کرنے والے کے لئے سانپ و اژدہا بن کر رہے گا، اسی بات کو اور واضح طور پر سمجھانے کے لئے سبا کی وادی اور ملکۂ سبا، اس قوم کا تنعم اور تعیش کی عبرت انگیز داستان بے اختیار مولانا کے قلم پر طاری ہو گئی۔

☆——☆——☆

اچھا کون ہے؟ برا کون ہے؟

مولانا نسیم اختر شاہ قیصرؒ
سابق استاذ دار العلوم وقف دیوبند

زندگی جن بنیادوں پر استوار ہوتی ہے اور اس کو قابل ذکر ولائق قدر بنانے کے لیے جو اوصاف درکار ہیں اگر انسان ان سے محروم ہے تو وہ زندگی آدمی کی زندگی نہیں ہوسکتی، اور اگر وہ اوصاف اس کی ذات کا حصہ ہیں تو ایسا آدمی قیمتی بھی ہے اور اس کی قدردانی بھی ہوتی ہے۔ لوگوں نے جس چیز کو معیار بنایا ہے اس کو تو اسلام نے کبھی معیار قرار ہی نہیں دیا۔ نہ آج اور نہ کل۔ اسلام دوٹوک انداز میں گفتگو کرتا ہے اور وہ زمانوں کے اعتبار سے اب اپنی روش اور اپنے ضوابط تبدیل نہیں کرتا۔ کچھ لوگ یہ چاہتے ہیں کہ ان کی خواہشات اور آرزوؤں کے تحت اسلام میں تبدیلی ہوتی رہے، وہ خود کو نہ بدلیں یہ کیسے ممکن ہے؟ اسلام ہمیں بدلنے کے لیے آیا تھا اور وہ اپنی ذمہ داری کو اسی طرح پورا کرے گا۔ اگر شراب نوشی عام ہوجائے، زنا سڑکوں پر ہونے لگے، سود ہر گھر میں داخل ہوجائے، تو اسلام تو بدلنے سے رہا۔ آپ اس سے ان تمام بدترین گناہوں کے جواز کی امید رکھتے ہیں تو یہ صبحِ قیامت تک نہ ہوگا۔ اللہ نے زنا کو، سود کو، شراب کو حرام قرار دے دیا ہے، یہ سب چیزیں حرام ہی رہیں گی۔ معاشرے میں یہی انقلاب پیدا کرنے کے لیے تو اسلام کی آمد ہوئی تھی، اس لیے کہ جس وقت اسلام آیا یہ تمام چیزیں اس معاشرے کا حصہ تھیں، جس معاشرے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے کھڑے ہوکر حق کی دعوت دی۔ بلکہ وہ معاشرہ زیادہ بدترین اور زیادہ مہلک ترین روحانی قلبی بیماریوں اور سنگین امراض میں مبتلا تھا۔ کسی بھی برائی کا تصور ذہن میں لائیے وہ اس خطہ میں موجود تھی، ان سب کا خاتمہ ہی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بعثت کا سبب تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اللہ رب العزت نے رسول آخر بنا کر بھیجا تھا اور ان کی شریعت کو آخری شریعت اور اسلام کو آخری دین قرار دیا تھا، نہ کوئی نیا دین آئے گا، نہ کوئی اور کتاب اترے گی اور نہ کسی اور شریعت کی آمد ہوگی۔ اسی لیے کہا جاتا ہے کہ اسلام میں تمام مسائل کا حل موجود ہے۔ اور ہر زمانے کے لیے ہے، ہر دور کے

انسانوں کے لیے ہے، جو نشانیاں اللہ کے نبی نے فتنوں کی بیان فرمائیں، قیامت کے ہونے کی بیان فرمائیں، انسانوں کے گمراہ ہونے کی بیان کیں، ان میں سے بے شمار کا مشاہدہ ہو چکا، بہت سی ہماری نظروں کے سامنے ہیں اور بہت سی پردۂ خفا میں ہیں، ان کا ظہور بھی اپنے وقت پر ہوگا، اچھے انسان کی تلاش اور جستجو ہر دور کے انسان کو رہی ہے، وہ بدترین سے بدترین سماج میں بھی ایسے لوگوں کا متلاشی رہتا ہے جن میں کچھ اچھی خصلتیں، بہترین عادتیں اور عمدہ خصائل ہوں، اللہ کے رسول ﷺ نے بھی اچھے اور برے کی پہچان بیان فرمائی ہے، کون اچھا ہے؟ اور کون برا ہے؟ اس کی وضاحت کی ہے۔ رسول اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

''حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا گزر چند بیٹھے ہوئے لوگوں پر ہوا، آپ ﷺ نے رک کر فرمایا: کیا میں تمھیں نہ بتاؤں کہ تم میں سے اچھا کون؟ اور برا کون ہے؟ سب لوگ خاموش ہو گئے، آپ ﷺ نے تین مرتبہ یہ بات ارشاد فرمائی، تو ایک شخص نے کہا: کیوں نہیں اللہ کے رسول ﷺ! آپ ﷺ ہمیں بتائیں کہ ہم میں سے اچھا کون اور برا کون ہے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: تم میں اچھا وہ ہے جس سے خیر کی امید رکھی جائے اور اس کے شر سے اپنے آپ کو محفوظ سمجھا جائے اور تم میں سے برا وہ ہے جس سے خیر کی امید نہ رکھی جائے اور اس کے شر سے اپنے آپ کو محفوظ نہ سمجھا جائے''۔ (جامع ترمذی)

جس سے لوگ اس کی امید کی رکھیں کہ یہ بھلائی کرے گا، برے وقت میں کام آئے گا، ہمدردی کرے گا، خیر خواہی کے جذبات کے ساتھ ملے گا اور مشکلوں میں خبر گیری سے پیچھے نہ ہٹے گا اور اس کے بارے میں یہ خیال ہو کہ اس کے شر سے ہم محفوظ ہیں، تو یہ اچھے ہونے کی علامت ہے، اور برے ہونے کی خبر یوں دی کہ جس سے خیر کی توقع ہی نہ ہو، جس سے بھلائی کی امید ہی نہ ہو، جس کے شر سے خود کو مامون نہ سمجھا جائے وہ شخص برا ہے، یہ ایک ایسا اصول بیان کیا ہے کہ اس اصول کی روشنی میں آپ آسانی کے ساتھ آدمی کے اچھے اور برے ہونے کو جان سکتے ہیں اور پتہ لگا سکتے ہیں کہ اچھا کسے کہہ سکتے ہیں اور برا کسے کہا جائے گا، فطری طور پر بھی انسان اسی آدمی سے تعلق قائم رکھنا چاہتا ہے جس سے کوئی نقصان نہ ہو، نفع ہو اور اگر نقصان ہونے کا اندیشہ ہے اور نفع کی کوئی توقع نہیں تو وہ آدمی برا ہے۔

خود پر نظر ڈالئے اور اپنی زندگی کا جائزہ لیجئے، سوچئے اور غور کیجئے کہ رسول اللہ ﷺ کے ارشاد کے اوّل جزو کے تحت آپ آ رہے ہیں یا جزوِ ثانی کے تحت؟ اگر فرمانِ نبوی کے قول کے حصۂ اوّل میں آپ شامل ہیں تو خیر ہے اور فلاح ہے۔ اور اگر دوسرے حصے کے آپ شریک ہیں تو بربادی ہے، ہلاکت ہے۔ جائزے کا مطلب یہ ہے کہ پہلے حصے پر اگر ہیں تو استقامت کا مظاہرہ کریں، استقلال کے ساتھ (بقیہ: ص/۱۱ پر)

فلسطین اور اسرائیل جنگ

مولانا سید فضیل احمد ناصری
استاذ حدیث و نائب ناظم تعلیمات جامعہ ہٰذا

فلسطین اور اسرائیل کے درمیان جنگوں کی خبریں آئے دن آتی رہتی ہیں، ہر دو تین مہینوں پر غزہ اور اہل غزہ پر اسرائیلی دھاوا ایک عام سی بات ہو چکی ہے۔ ان کی باہمی لڑائیوں کی خبریں اتنی مرتبہ آچکی ہیں کہ لاتعداد مسلمان تو اب ان خبروں پر توجہ بھی نہیں دیتے۔ فلسطین اور اسرائیل کی موجودہ جنگ جو ۷/ اکتوبر ۲۰۲۳ء کو یکایک چھڑی تو یہی سمجھا گیا کہ دو چار دنوں کے بعد یہ سلسلہ بھی بیٹھ جائے گا، مگر ایسا نہیں ہوا۔ کم و بیش سو دنوں تک مسلسل چلتی رہی۔ درمیان میں فلسطینی تنظیم حماس اور اسرائیل کے درمیان جنگ بندی کا معاہدہ بھی طے پایا اور چار دنوں کے بعد پھر وہی میزائل، وہی توپ، وہی ہیلی کاپٹر کی گڑگڑاہٹ۔ گزشتہ تین مہینوں سے فلسطینیوں پر جو حالات آئے ہیں ان کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ یہودیوں نے حماس کو کوئی خاص نقصان تو نہیں پہونچایا، مگر عام شہریوں پر ایسی بمباریاں کی ہیں کہ الامان والحفیظ! بچوں اور عورتوں کی شہادتیں بڑی کثرت سے ہوئیں۔ جوانوں اور بوڑھوں کی لاشیں بھی تعداد میں کم نہیں ہیں۔ ظالم یہودیوں نے ہسپتال تک کو نہیں چھوڑا اور مریضوں سمیت ڈاکٹروں کو بھی موت کی نیند سلا دی۔ دھرتی کے یہ بوجھ مدارس اور اسکولوں کو بھی تختۂ مشق بناتے رہے۔ ہر جگہ میزائل، ہر مقام پر بموں سے یلغار۔ ایک ہاہاکار مچا دی۔ تباہیوں کی نئی داستان رقم کر ڈالی۔ شہید ہونے والے جوانوں، بوڑھوں، عورتوں اور بچوں کی صحیح تعداد تو اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ اخبارات کے مطابق کم و بیش بیس ہزار افراد شہید ہوئے۔ لاشوں کی کثرت نے قبرستان کو بھی تنگ کر دیا۔ الگ الگ قبر کے بجائے ایک ہی قبر میں پچاس پچاس شہیدوں کو دفن کیا گیا۔ یہ حال تو شہادت پانے والوں کا ہے۔ جو بچ گئے ان کا حال تو اور بھی برا ہے۔ انہیں دیکھا بھی نہیں جا سکتا۔ زخمی پڑے ہوئے ہیں۔ کسی کا ہاتھ چلا گیا، کسی کا پاؤں سلامت نہیں، کوئی بینائی سے ہاتھ دھو بیٹھا، کسی کے

چہرے پر ہیبت ناک گھاؤ ہے، کسی کی پسلیاں ٹوٹ گئیں۔ ایسے مریض شہیدوں سے بھی زیادہ ہیں۔ دوائیں ندارد، ڈاکٹروں کی خدمات عنقا، ہسپتال ملبے میں تبدیل، مریضوں کا ظاہری سہارا کوئی نہیں۔ باطنی سہارا صرف اللہ ہے۔ یہ بیمار فلسطینی، یہ معذور محافظین اقصیٰ، یہ جسمانی توانائیوں اور طاقتوں سے محروم پر اسرار بندے اللہ اللہ کررہے ہیں اور قتال فی سبیل اللہ کی لذتوں سے آشنا۔ پھر ان کے مکانات دیکھیے، ان کے مساکن کا تصور کیجیے! تو وہ آپ کی نیندیں باقی نہیں چھوڑے گا۔ کتنے ہی مسلمان ہیں جنہیں اس جنگ کی خبروں نے بستروں سے دور رکھا۔ مسجدِ اقصیٰ کے یہ جاں باز در بدر پھر رہے ہیں: خانہ بدوشانہ، مکان، نہ جائیداد۔ پھر گھریلو افراد کو دیکھتے ہیں تو کئی کئی افراد آنکھوں سے اوجھل۔ کسی کے والد شہید ہو گئے۔ کسی کی ماں اس دنیا میں نہیں رہی۔ کسی کا بھائی لقمۂ اجل ہو گیا۔ کسی کے گھر سے دو افراد غائب، کسی کا آنگن تین افراد کو کھو چکا۔ کوئی گھرانہ پورے کا پورا ہی عالمِ آخرت کو سدھار گیا۔ یہ فلسطینیوں کا ہی دل گردہ ہے کہ اس کے باوجود یہودیوں سے لڑتے ہیں۔ ادھر سے کلاشنکوف ہے، اِدھر سے غلیل ہے۔ ادھر سے بم کی برسات ہے، اِدھر سے معمولی پتھر پھینکا جا رہا ہے۔ ادھر سے فضائی حملے، اِدھر سے معصوم بچوں کی ڈھیلے بازی۔ کیا جگر پایا ہے فلسطینیوں نے۔ ڈاکٹر اقبال نے ایسے ہی لوگوں کے بارے میں کہا تھا:

کافر ہے تو شمشیر پہ کرتا ہے بھروسہ ☆ مومن ہے تو بے تیغ بھی لڑتا ہے سپاہی

کیا عرض کیا جائے، مختصر یہ کہ ان کی ادائیں دیکھ کر صحابہ کی یاد آ جاتی ہے۔ ان کے شہیدوں کو دیکھیے، بچے ہوں یا جوان، سب کے چہرے پر تبسم:

مثالِ مردِ مومن با تو گویم ☆ چوں مرگ آید تبسم بر لبِ اوست

کی مجسم تصویر۔

فلسطینیوں کی اسلام سے محبت کا اندازہ اس سے لگا سکتے ہیں کہ کم وبیش ۸۰ سالوں سے یہودیوں کے مظالم کا سامنا کر رہے ہیں۔ وہ چاہتے تو دیگر عرب ممالک کی طرح اسرائیل سے صلح کر لیتے اور چین کی بانسری بجاتے، لیکن انہوں نے ٹھان رکھا ہے کہ مر جائیں گے، مگر اللہ اور اس کے پیغمبر سے اپنا رشتہ نہیں توڑیں گے۔ بیت المقدس کی حفاظت ہر حال میں کریں گے۔ ان ستر سالوں میں لاکھوں فلسطینی شہادت کا جام پی گئے، مگر اس کے باوجود انبیا کی سرزمین کے ان باشندوں میں تھکاوٹ نہیں آئی:

بڑھتا ہے ذوقِ جرم یہاں ہر سزا کے بعد ☆ یہ وہ نشہ نہیں جسے تلخی اتار دے

دنیا میں مسلم ممالک کی تعداد ۵۷ رکو پہونچی ہوئی ہے۔ فلسطینیوں پر جنگ مسلط رہی اور یہ ۵۷ ر مسلم ممالک انہیں تڑپتے اور مرتے ہوئے دیکھتے رہے۔ بے حسی رے بے حسی!! اسی کا ناجائز فائدہ اٹھا کر

اسرائیل نے بھی دھمکی دے دی کہ اس مسئلے میں کوئی بھی ملک ہمارے خلاف ہوا تو اسے بخشا نہیں جائے گا۔ مسلم ممالک کا ردِ عمل دیکھ کر دنیا نے سمجھ لیا کہ ان کا وجود صرف مذمتی بیان جاری کرنے کے لیے ہے۔ ترکی کے رجب طیب اردگان مسلمانوں کے مسیحا کہے جاتے ہیں وہ بھی گیدڑ بھپکی سے آگے نہ بڑھ سکے۔ ایران سے ہمیں کوئی امید تھی اور نہ رہے گی۔ اس کے رہ نما رافضی ہیں۔ وہ صحابۂ کرام کو مرتد اور مسلمانوں کو اسلام سے خارج مانتے ہیں، پھر ان سے توقع کیسی؟ میں تو ہمیشہ ہی انہیں مسلمانوں کے خلاف آستین کا سانپ سمجھتا رہا ہوں اور آج بھی میرا یقین اسی نظریے پر جما ہوا ہے۔ ان کے میٹھے بول، ان کی شیریں بیانیاں اور ان کی ظاہری ہمنوائیوں پر یقین اسے آئے گا جو ان کی تاریخ سے واقف نہیں۔ شیعہ کا منافق ہونا اظہر من الشّمس ہے اور منافقین کا ظاہر و باطن کیسا ہوتا ہے، اللہ رب العزت نے یوں تبصرہ کیا ہے: وَ اِذَا رَاَیْتَهُمْ تُعْجِبُكَ اَجْسَامُهُمْ ؕ وَ اِنْ یَّقُوْلُوْا تَسْمَعْ لِقَوْلِهِمْ ؕ كَاَنَّهُمْ خُشُبٌ مُّسَنَّدَةٌ ؕ اے محمد! جب آپ ان منافقوں کو دیکھیں گے تو ان کے جسم بڑے ہی پر کشش معلوم ہوں گے جب وہ بولنے پر آئیں تو ان کو سنتے رہیں گے، گویا کہ وہ کھوکھلی لکڑیاں ہیں۔ ایران کے علاوہ ملکِ شام بھی شیعہ کی روش پر، اس لیے ان سے بھی خیر کی امید فضول ہے۔ افسوس تو اس کا ہے کہ وہ مسلم ممالک جو شیعہ اکثریت والے نہیں ہیں انہوں نے بھی مذمتی بیانات سے آگے کوئی مؤثر ردِ عمل نہیں دیا۔ او آئی سی انہیں ممالک کا متحدہ پلیٹ فارم ہے۔ یہ لوگ ۱۲/نومبر کو سعودی عرب میں سر جوڑ کر بیٹھے اور نتیجہ وہی ٹائیں ٹائیں فش۔ یہ اجلاس عرب لیگ اور او آئی سی نے مشترکہ طور پر بلایا تھا۔ او آئی سی کا مطلب ہے: اسلامی تعاون تنظیم۔ اور اس تنظیم نے فلسطینیوں کی مدد کی ہے یا ان کے زخموں پر نمک کا چھڑکاؤ کیا ہے، یہ کسی سے ڈھکا چھپا نہیں۔ نشستند گفتند برخاستند۔ ان ممالک سے پوچھیے کہ تمہیں فلسطین سے محبت ہے؟ تمہیں مسجدِ اقصیٰ سے محبت ہے؟ تمہارے دل القبۃ الصخراء کے لیے دھڑکتے ہیں؟ کیا تم مسجدِ اقصیٰ میں نماز پڑھنے کے خواہش مند ہو؟ تو یہ سبھی بیک زبان ایک ہی بات کہیں گے: جی ہاں، جی ہاں! مگر ان کی وضع و تمدن دیکھیے، ان کی حرکتیں دیکھیے! جمود ہی جمود ہے۔ تعطل ہی تعطل ہے۔ مردنی ہی مردنی ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ انہیں فلسطین سے محبت تو ہے، فلسطینیوں سے نہیں۔ مسجدِ اقصیٰ سے محبت تو ہے، اس کے محافظین سے نہیں۔ اب مجھے نہیں معلوم کہ غیر آباد مسجدِ اقصیٰ اور غیر آباد فلسطین کو لے کر یہ نام نہاد مسلم ممالک کیا کریں گے؟

ہمارے نبی ﷺ نے فرمایا: **انصر اخاك ظالماً كان او مظلوماً**۔ یعنی اپنے بھائی کی ہر حال میں مدد کرو، خواہ اپنا بھائی مظلوم ہو یا ظالم۔ پھر حضور ﷺ نے ہی فرمایا ہے کہ ظالم کی مدد یہ ہے کہ ظالم کا ہاتھ پکڑ لو! اسے ظلم کرنے نہ دو! فلسطینی بھائیوں پر کم وبیش ۸/دہائیوں سے ظلم ہو رہا ہے اور کیسا ظلم!! تاریخِ انسانی ان

دہائیوں میں اس کی نظیر پیش کرنے سے عاجز ہے۔اس کی کچھ روداد آپ نے ابھی مجھ سے سنی۔ان فلسطینیوں کا قصور کیا ہے؟ان کا قصور بس یہ ہے کہ یہ لوگ کائنات کے آخری پیغمبر حضرت محمد ﷺ کے نام لیوا ہیں۔انہوں نے قبلۂ اول کی حفاظت کی قسمیں کھائی ہیں۔یہ پوری امت کا کیس اپنی طرف سے لڑ رہے ہیں۔یہ عالمِ اسلام کی طرف سے فرضِ کفایہ ادا کر رہے ہیں۔ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ ان کی مدد کی جاتی۔ان کے دکھ درد کا درماں کیا جاتا۔ان پر ظلم کرنے والوں کا ہاتھ مروڑا جاتا۔اسرائیل ایک دہشت گرد ملک ہے۔اسے اقوامِ متحدہ میں دہشت گرد ثابت کرنے کی زبردست مہم چلائی جاتی۔کم از کم اسرائیل کے معاشی بائیکاٹ کا ہی فیصلہ کر لیا جاتا۔مسلم عوام نے بائیکاٹ ضرور کیا اور اس سے یہودی ملک کو شدید ترین نقصان بھی ہوا،لیکن افسوس کہ یہ سب کرنے کے بجائے قبلۂ اول کے محافظین کو نہتا چھوڑ دیا گیا۔انہیں بے یار و مددگار تڑپنے دیا گیا۔انہیں بارش کے پانی کا انتظار کرنا پڑا۔مسلم ممالک سے بہتر تو آسٹریلیا کا جان نکلا جو کرکٹ کے عالمی کپ کے دوران میدان پر پہونچ گیا اور فلسطین کا مقدمہ پوری دنیا پر واضح کیا۔اس کا یہ عمل عالمِ اسلام کے منہ پر زناٹے دار طمانچہ ہے۔جان عیسائی ہو کر تمام سچے مسلمانوں کی توجہ لے اڑا اور مسلم ممالک بلوں میں بیٹھ کر قراردادیں پاس کر کے خاموش تماشائی بنے ہوئے ہیں۔ان کے نزدیک منصب پہلے ہے اور دوسری چیزیں بعد میں۔بلکہ منصب سے آگے ان کی سوچ کام ہی نہیں کرتی۔ان حکمرانوں کو دیکھیے تو معلوم ہوگا کہ ان کا ظاہر بھی یہود گردہے اور باطن بھی یہود گرد۔اگر نرم تعبیر اختیار کی جائے تو زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ ان کی رگیں تو اسلام سے وابستہ ہیں،مگر ان میں دوڑنے والا خون یہود و نصاریٰ کا ہے،اسی لیے مسلمانوں کی مظلومی کے وقت اس میں ابال نہیں آتا اور رگوں کی حرکت سے بات بس مذمتوں تک رہ جاتی ہے۔

شرم کی بات تو یہ بھی ہے کہ فلسطین اجڑتا رہا،مسجدِ اقصیٰ پکارتی رہی،مگر سعودی عرب میں کنسرٹ چلتا رہا،فلمیں اور ڈرامے دکھائے جاتے رہے۔ایک طرف خون ہی خون اور دوسری طرف وہ حالت کہ انا للہ و انا الیہ راجعون۔کیا سعودی عرب کے حاکموں کو ایسا ہی ہونا چاہیے؟ سامعین! جناب عبدالرشید نے فلسطین کی حالتِ زار پر صحیح تبصرہ کیا ہے۔وہ لکھتے ہیں''۱۹۴۸ء میں اسرائیل کے قیام کے بعد یورپ سے آئے ہوغاصب یہودیوں نے ہزاروں سال سے فلسطین میں آباد فلسطینیوں کو ان کی زمینوں اور جائدادوں سے بے دخل کر کے انہیں کیمپوں میں نہایت ابتر حالت میں زندگی بسر کرنے پر مجبور کر دیا ہے۔گزشتہ نصف صدی سے زائد عرصہ کے دوران اسرائیلی یہودیوں کی جارحانہ کارروائیوں اور جنگوں میں ہزاروں لاکھوں فلسطینی مسلمان شہید،زخمی یا بے گھر ہو چکے ہیں اور لاکھوں افراد مقبوضہ فلسطین کے اندر یا آس پاس کے ملکوں میں کیمپوں کے اندر قابلِ رحمت حالت میں زندگی بسر کر رہے ہیں۔اور اقوام متحدہ اور اس کے کرتا

دھرتا امریکہ اور یورپ کے ممالک یہودیوں کے سرپرست اور پشتیبان بنے ہوئے ہیں''۔

فلسطینی غیور اور اقصائی شہزادے جب قیامت کے دن اللہ کے سامنے کھڑے ہوں گے اور بے غیرت مسلم ممالک کے خلاف مقدمہ دائر کریں گے تو یہ حکام کیا جواب دیں گے اور کیسے بچیں گے؟ جہاں تک بات بیت المقدس والوں کی ہے تو ان شاء اللہ وہاں بھی سرخ رو رہیں گے اور کہہ سکیں گے کہ اے اللہ! مسلم دنیا خاموش تماشائی بنی ہوئی تھی اور غیر اسلامی دنیا یہود کے ساتھ کھڑی تھی، مگر اس کے باوجود ہم نے ہمت نہیں ہاری۔ ان عالمی طاقتوں کو گھٹنوں کے بل جھکاتے ہوئے ۲۰۲۳ میں جنگ بندی پر مجبور کر دیا اور ۵۰ ریہود کے بدلے ۱۵۰ فلسطینیوں کی آزادی سمیت کئی اہم مانگیں رکھیں۔ جانوں کے جو نذرانے ہم نے پیش کیے ہیں ان کی تعداد تو آپ ہی بہتر جانتے ہیں۔ زخمیوں اور معذور ہو جانے والوں کی صحیح فہرست بھی آپ ہی کے پاس ہے۔ ہم تو آپ اور آپ کے رسول حضرت محمد مصطفی ﷺ کے ارشادات پر عمل کے مکلف تھے۔ آپ نے فلسطین کو ارضِ مقدس بتایا تھا۔ آپ ہی کا ارشاد تھا: يَٰقَوۡمِ ٱدۡخُلُوا ٱلۡأَرۡضَ ٱلۡمُقَدَّسَةَ۔ آپ نے یہ بھی فرمایا تھا: ''وَلَقَدۡ كَتَبۡنَا فِي ٱلزَّبُورِ مِنۢ بَعۡدِ ٱلذِّكۡرِ أَنَّ ٱلۡأَرۡضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ ٱلصَّٰلِحُونَ۔ اور نبی علیہ السلام کا ملفوظ تھا:

عن أَبِي ذَرٍّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، قَالَ: تَذَاكَرْنَا وَنَحْنُ عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَيُّهُمَا أَفْضَلُ: مَسْجِدُ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ، أَوْ مَسْجِدُ بَيْتِ الْمَقْدِسِ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: " صَلَاةٌ فِي مَسْجِدِي هَذَا أَفْضَلُ مِنْ أَرْبَعِ صَلَوَاتٍ فِيهِ، وَلَنِعْمَ الْمُصَلَّى، وَلَيُوشِكَنَّ أَنْ لَا يَكُونَ لِلرَّجُلِ مِثْلُ شَطَنِ فَرَسِهِ مِنَ الْأَرْضِ حَيْثُ يَرَى مِنْهُ بَيْتَ الْمَقْدِسِ خَيْرٌ لَهُ مِنَ الدُّنْيَا جَمِيعًا – أَوْ قَالَ: خَيْرٌ مِنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيهَا

مستدرک الحاکم؛ ۴/۵۰۹، المعجم الاوسط؛ ۸۲۲۶، ۹/۸۲۲۶، شعب الایمان ۳۸۴۹، ۶/۲۴ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھے یہ گفتگو کر رہے تھے مسجد نبوی افضل ہے کہ مسجد بیت المقدس؟ تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا؛ میری اس مسجد میں ایک نماز بیت المقدس میں پڑھی گئی چار نمازوں کے برابر ہے، ویسے وہ نماز پڑھنے کی بہترین جگہ ہے اور وہ وقت قریب ہے کہ ایک مؤمن کے لئے اتنی جگہ بھی ملنا مشکل ہوگا کہ وہ وہاں سے بیت المقدس کو دیکھ لے، اگر صرف اتنی جگہ بھی مل گئی تو وہ اس کے نزدیک دنیا اور دنیا کی تمام چیزوں سے بہتر ہوگا۔ اللہ سے دعا ہے کہ انبیا علیہم السلام کی اس سرزمین اور معراج النبی کا یہ دیار امن وسکون کا گہوارہ بنے اور فاروقِ اعظم وصلاح الدین ایوبی کی نسلیں بیت المقدس کی حفاظت میں یوں ہی تازہ دم رہیں۔

فخر المحدثین حضرت مولانا سید انظر شاہ کشمیری کی زیر ترتیب سوانح سے
ایک شہ پارہ قارئین ''محدثِ عصر'' کے لیے پیش ہے

شاہ صاحبؒ کے علمی، ادبی و تحقیقی شہ پارے

(قسط اول)

شاہ صاحب کی تحریروں کا مکمل ذائقہ پانے کے لئے ان کی کتابوں کا مطالعہ کرنا چاہئے، تاہم مشتے نمونہ ازخروارے کے طور پر ان کی چیدہ تحریروں کے چند اقتباسات پیش کئے جا رہے ہیں، پڑھئے اور علم وادب کی ہمہ رنگ خوشبوؤں سے مشام جاں کو معطر کیجئے، تفسیر بالرائے کی قباحت وشناعت بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ:

''تفسیر بالرائے کا مسئلہ قرآنیات میں ایک اہم مضمون ہے، خود قرآن مجید میں سابقہ امم کی اس زشتی کردار پر کہ وہ اپنے عہد کی آسمانی کتابوں میں تفسیر بالرائے سے آغاز کرتے اور اس نقطۂ آغاز کا بدترین اختتام تاویل وتحریف بلکہ کتمان پر ہوتا، پرغضب لہجہ میں نکیر کی گئی اور اس کے ہم وزن جناب رسول اکرم ﷺ کا یہ ارشاد کہ "من قال في القرآن برأيه فليتبوأ مقعده من النار أو كما قال نے امت کو ایک عجیب وغریب چوراہے پر لا کھڑا کیا، اس روایت اور اس جیسی دوسری روایات کی پشت پناہی حاصل کرتے ہوئے یہ خیال شدت کے ساتھ پھیلا دیا گیا کہ قرآن کی کوئی تفسیر اس وقت تک ممکن نہیں تاوقتیکہ اس کی تائید میں کوئی حدیث نہ ہو، جو کچھ کہا گیا اس میں غلو اس قدر کیا گیا کہ حدیث کی مختلف اقسام کو بھی پیش نظر نہیں رکھا گیا، مطلب یہ ہے کہ یہ بات بھی صاف نہیں کی گئی کہ آیا وہ حدیث صحیح ہو، حسن ہو، ضعیف ہو، بلکہ ان فنی مباحث سے قطع نظر صرف حدیث کی ضرورت وتائید پر زور دیا گیا، اسی خیال کی اشاعت کا نتیجہ ہے کہ تفسیر کی وہ کتابیں ہمیشہ قبول عام حاصل کرتی رہیں جن میں ہر آیت کے ذیل میں کوئی نہ کوئی حدیث موجود ہے، ابن جریر، ابن کثیر یا سیوطی کی درمنثور، ان تفاسیر کی قبولیت کا راز بذیل تفسیر احادیث کا انبار لگا دینا ہے، یہی وہ نقطۂ نظر تھا جس نے امام فخر رازی کے تفسیری شاہکار کے متعلق یہ فقرہ اولین سے آخرین تک پہونچا دیا کہ فيه كل شي إلا التفسير" کیوں کہ غریب فخر رازی

نے اپنی تفسیر میں روایات کا وہ ذخیرہ تیار نہیں کیا جو ابن جریر وغیرہ بہم پہونچاتے رہے، ٹھیک اس کے مقابلہ میں ایک طبقہ ان جسارت پسندوں کا بھی کھڑا ہو گیا جو قرآن مجید کی شرح وتفسیر میں نہ صرف حقیقی اور واقعی تفسیری روایات سے آزاد ہوا، بلکہ اس نے سرے سے اس ماحول کو بھی نظر انداز کیا جس میں قرآن کا نزول ہو رہا تھا، اور صحابۂ کرام سے بھی یک لخت صرف نظر کی، درآنحالیکہ وہ قرآن کے مخاطب اول تھے، بلکہ ان کی عقل باختگی اس حد تک جا پہونچی کہ عربی لغت، لغوی رعایتیں، عربی اسلوب کی نزاکت بلکہ قرآن کی زبان اور اس کے مختلف پیرایوں کی رعایت بھی ضروری نہیں سمجھی، تفسیر بالرائے کا ہنگامہ جس شان سے کھڑا کیا گیا اور جس پر یہ دو متضاد نقطۂ نظر وجود میں آئے، سیوطی کے اتقان کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان آویزشوں کی تاریخ بہت پرانی ہے، سیوطی ہی نے یہ عجیب لطیفہ سنایا کہ ایک صاحب قرآن کی تفسیر کرنے کے لئے تیار ہوئے تو حضرت ابراہیم کے اس مطالبہ میں کہ: اے رب آپ مجھے دکھا دیجئے کہ کس طرح زندہ کرتے ہیں مردوں کو؟ اس عجیب وغریب مفسر کو جب یہ پریشانی لاحق ہوئی کہ بھلا ابراہیم ایسے پیغمبر جلیل سے احیائے موتی کے بارے میں یہ تردد آمیز سوال کیسے ممکن ہے؟ تو اس کی دور اندیش عقل نے جھٹ پٹ جواب تیار کیا کہ قلبی نامی حضرت ابراہیم کا دوست تھا، ابراہیم احیائے اموات کے بارے میں اپنے لئے اطمینان کے طالب نہیں تھے بلکہ اپنے جگری دوست قلبی کے لئے دولت اطمینان کی دریوزہ گری کر رہے تھے، والعیاذ باللہ! بلکہ سیوطی ہی کے قلم سے یہ بھی سننے میں آیا کہ بعض مفسرین کے خیال میں میتۃ اور لحم خنزیر بعض مرد اور عورتوں کے نام تھے جن کے تعلق واختلاط سے مسلمانوں کو روکا گیا تھا۔ یہ واقعات جن میں عقل نے سکرات میں مبتلا ہو کر بوالعجبیوں کا ایک طومار تیار کیا ہے، ان کی نقل وحکایت بھی بقول ابو مسلم اصفہانی صرف اس لئے ہو سکتی ہے تا کہ معلوم ہو کہ مدعیان علم میں احمقوں کی کمی نہیں" (نقش دوام، ص ۳۴۰-۳۴۱)

حدیث کی اہمیت کو واشگاف کرتے ہوئے شاہ صاحب کا پر بہار قلم یہ لکھ گیا ہے:

''حضرت علامہ مولانا محمد انور شاہ کشمیری المغفور پر دانشوروں کے اس اجتماع میں میرے مقالہ کا عنوان "علامہ کے درس حدیث کی خصوصیات ہے۔ یہ موضوع بجائے خود نہایت وسیع اور مرحوم کی پوری زندگی پر حاوی ہے، چوں کہ علامہ کی زندگی علمی زندگی اور آپ کا تعارف علم ودانش کی وادیوں میں مسلسل سفر سے تعبیر ہے، اور یہ بھی واقعہ ہے کہ آپ کے منفرد اجتہادی درس کا حقیقی رنگ درس حدیث ہی میں نمایاں ہوا، یہ بتانے کی چنداں ضرورت نہیں کہ دینی درس گاہوں کا منتہائے کمال حدیث کا درس ہے، غالباً یہ اس وجہ سے کہ جناب رسول اکرم ﷺ کی احادیث کا معاملہ قرآن کریم سے جدا اور ممتاز ہے، حالاں کہ قرآن

کریم دین کا سرچشمہ، علوم کا بحر ذخار، معارف کا حسین آبشار ہے، ان خصوصیات کا تقاضا تھا کہ ہر قسم کی رفعتیں اور علم وتحقیق کے امتیازات قرآن ہی کے لئے خاص ہوں، لیکن قرآن مجید کا ثبوت اس قدر متواتر، غیر مشتبہ اور یقینی ہے کہ خاص وہ مباحث جو حدیث کے باب میں رد وقبول کے لئے چل پڑے ان سے "القرآن" کو سابقہ نہیں رہا، لیکن اس کا یہ بھی مطلب نہیں کہ قرآن سے اعتنا نہیں کیا گیا، اہل علم خوب جانتے ہیں کہ قرآنی علوم ومعارف میں بھی انکشافات، نکتہ سنجی، نکتہ آفرینی کا ایک چمن ہمارے کتب خانۂ علم کی دل فریب بہار ہے، لیکن حدیث کا فن جیسا کہ عرض کیا گیا، وسیع تر ہوتا گیا، حدیث ثابت ہے یا نہیں، ثبوت کے بعد پھر کس درجہ کی ہے؟ تعامل سلف مؤید ہے یا نہیں؟ شواہد موجود ہیں یا نہیں؟ اس کے رواۃ کس درجہ کے ہیں؟ کیا ان احادیث سے احکام کا استنباط واستخراج ہوتا ہے؟ پھر مختلف متضاد احادیث میں تطبیق، ترجیح وتاویل، رواۃ کی سوانح، ان کے تذکرے ایک ہی نام یا القاب میں شرکت ایسے اور اس طرح کے دوسرے مباحث نے فن حدیث کو اہم حیثیت دینے کے ساتھ دشوار تر بنا دیا، نتیجتاً کسی دانشور کا کمال فن حدیث ہی میں نمایاں اور سند کی حیثیت اختیار کر گیا، مزید برآں حدیث مذکورہ بالا حیثیتوں سے ہٹ کر کچھ اور رخوں سے بھی زیر بحث آ گئی، مثلاً حدیث کی فصاحت وبلاغت، حدیث میں بدیع ومعانی کے فیصلے، صرفی ونحوی مباحث، مذاہب فقہیہ کا بیان، کسی ایک فقہی مکتب فکر کی ترجیح، وجوہ ترجیح، احکام ومسائل کا استخراج، کلام مباحث، ضلالت پسند فرقوں کی تردید اور ان کے زیغ وضلال پر حدیث کے سرمایہ سے بھرپور تردید، بلکہ حدیث کے رخ زیبا سے نقاب کشائی کرتے ہوئے ان انوار وتجلیات کی تشخیص وتعیین جن کی اس امت کو تا قیامت قدم قدم پر ضرورت پیش آتی رہے گی۔

ظاہر ہے کہ جب امت کے اساسی علوم وفنون میں حدیث کو قرآن کے بعد دوسرا درجہ حاصل ہے تو حدیث ہی سے کام لے کر دین ودنیا کے حوادث میں کوئی جچا تلا فیصلہ کرنا ہوگا، اس لئے ایک محدث درس حدیث میں صرف حدیث کی شرح، لغوی مباحث یا اسی طرح کے سامنے کے مسائل پر گفتگو نہیں کرتا بلکہ اس کی واقفیت وشناسائی دین کی تمام روایات وجوانب پر اتنی دبیز ہوتی ہے کہ اس کے فیصلے مبصرانہ اور اس کی آراء متوازن حیثیت اختیار کرتی ہیں اور درحقیقت مولانا انور شاہ ان ہی منتخب محدثین میں سے ہیں جن کی عبقریت وجامعیت ان کے لئے اسی اجتہادی مرتبہ کی سفارش کرتی ہے؟" (تصویر انور، ص ۹۷-۹۸)

حدیثِ رسول کی اثر پذیری اور دلوں کی کائنات بدلنے میں اس کے امتیاز واختصاص پر لکھا ہے تو دل چاہتا ہے کہ بار بار پڑھتے رہئے:

"قطع نظر شرعی اصطلاحات ومصطلحات متکلمین سے بخدا آنے والی بات ذہنی ارتداد کا مظہر نہیں، بلکہ

تمام ہی اجزائے شریعت و متکلمین اسلام کی کاوشوں و دیدہ ریزیوں کو دل و جان سے تسلیم کرنے کے باوجود جو کچھ اس وقت کہنا اور لکھنا ہے وہ اس معذرت کے ساتھ

ع مقطع میں آ پڑی ہے سخن گسترانہ بات

کیا ہے قرآن مجید؟ سب کچھ تسلیم کر لینے کے باوجود بہر حال خدا تعالی کے ملفوظات و ارشادات عالیہ کا مجموعہ اور تئیس سالہ عہد نبوت کا سارا ذخیرۂ حدیث رسول اللہ ﷺ کا بیش بہا ملفوظات گرامی، قدسی صفات صحابہ کا مجمع لگتا، حلقہ اندر حلقہ بیٹھتے، اور قدسی الاصل ﷺ کے ارشادات کا سلسلہ چلتا، اب چاہے تو انہیں حدیث کہہ دیجئے، دل چاہے تو کلام رسول، اور اگر ہیچ مداں کی تعبیر گوارا ہو تو ملفوظات النبی الامی روحی فداہ، رسالت کا عہد میمون دھیرے دھیرے ختم ہوا اور ایک وجود اقدس ﷺ نے خاک دانِ ارضی کو چھوڑ چھاڑ کر دوسرے عالم کی رونقیں بڑھائیں تو اصحاب النبی ﷺ، تابعین و تبع تابعین، امت کی اصلاح کے ذمہ دار بن گئے، یہ تنکا تنکا چن کر علم و آگہی کا آشیانہ بناتے، مستفیدین قطار اندر قطار آتے اور النبی الامی ﷺ کے ملفوظات سے نہ صرف تیرہ باطنی کا علاج بلکہ تیرہ و تار ماحول کو انوار نبوت سے روشن و منور کرتے، یہ قرن بھی نمٹ گیا تو علما نے مسندیں سنبھالیں، درسگاہوں سے علم کی تقسیم اور دانش کدوں سے دانشوروں کی فیاضی پورے عالم میں موجیں لینے لگی، انوار نبوت حال سے دور ہو رہے تھے، ماضی اپنی تمام برکات کے ساتھ دامن سمیٹ رہا تھا، ظاہر تو ٹھیک ہو رہا تھا، لیکن باطن کی کائنات اندھیروں سے روابط و ضوابط بڑھا رہی تھی، ٹھیک اس وقت میں صوفیہ صافیہ کھڑے ہوئے اور نہاں خانۂ باطن کو صیقل کرنے کے لئے اذکار و اشغال کے کچھ مسنون اور کچھ طبع زاد طور و طریق سنبھال بیٹھے، خانقاہیں ہوحق سے لبریز ہو گئیں، نالۂ سحرگاہی عرش تک جا پہنچے، ارض و سما کی مسافتیں سمٹ گئیں، بشاشتِ ایمان دلوں میں رچی، اعمال کی نورانیت سراپا پر کھلی، غنچہ ہائے دل چٹکے، معرفتِ ربانی کے زمزمے بلند ہوئے اور اس طرح اسلام کی گاڑی جسے محمد رسول اللہ ﷺ نے لائن پر ڈالا تھا تیز رفتاری سے منزل کی طرف بڑھ گئی۔

موجودہ ریلوے نظام نے ریلوے سسٹم کو شہروں، قصبات اور دیہات تک پہونچا دیا، بجلی کے قمقمے قریہ قریہ نظر افروز ہیں، ڈسپنسریاں گاؤں گاؤں کھل گئیں، مدارس و مکاتب کا جال ادھر سے ادھر تک پھیل گیا تو دین کی گاڑی بہ فحوائے قول رسول اکرم ﷺ: اگر خشکی تری شہر اور قریہ میں جا پہونچے تو استحالہ کیا ہے اور استعجاب کیوں؟

حضرات صوفیا مجالس جماتے، ان کے ملفوظات دلوں کو گرماتے، دماغ روشن ہو جاتے، نہاں خانۂ

باطن چمک اٹھتا، نیکی سے قرب، بدی سے بعد، شر سے بجانبِ خیر، بُرائی سے بہ سمتِ بھلائی، قافلے سرگرم سفر ہوتے، یہ ملفوظات آج بھی امت کا اثاثہ ہیں، ان میں وہی سوز وگداز، وہی گرما گرمی، اعمال خیر کی جانب متوجہ کرنے کی وہی قوت، مزکی ومقدس بنانے کی وہی استعداد زندہ وتوانا ہے۔

الشیخ عبدالقادر جیلانی المعروف بہ غوث اعظم کے ارشادات اب بھی لوہے کو پارس بنانے کی صلاحیت رکھتے ہیں، شیخ رفاعی کا کلام بدستور تیز وتند ہے، فتوحات مکیہ اور فصوص الحکم کے نعرے آج بھی جوش زن ہیں، ابن جوزی کا کلام آشنا بہ ودت نہ ہوا، شیخ شہاب الدین سہروردی، خواجۂ نقشبند، داعی الی اللہ شیخ اجمیری کا سرمایہ بدستور باعثِ گرمیٔ محفل ہے، محبوب الٰہی یعنی سلطان دہلی کے فوائد الفوائد اور افضل الفوائد ہنوز دلوں کے تار چھیڑتے ہیں، خواجہ باقی باللہ کے ارشادات قلب ودماغ تک اثر ڈالنے میں کسی سے کم نہیں، مجدد الف ثانی کے مکتوبات کساد بازاری کی زد میں نہیں، اور ذکر کیوں چھوڑیے قاضی ثناء اللہ پانی پتی کے شیخ مرزا مظہر جان جاناں کا، اور ان کے مسترشد مولانا غلام علی کا، اور جہاں آباد کے شیخ کلیم اللہ کا، اور کیا فراموش کر سکتے ہیں ماضی قریب کی پُرنور شخصیت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی کو کہ ان سب کے ملفوظات مغتنمات باردہ یا گنجینۂ بارآور ہیں۔

اس سے کون انکار کرسکتا ہے کہ صوفیا کے ملفوظات نے وہ کام کر دکھایا جو عصر حاضر کے قلم کاروں کے بھاری بھرکم لٹریچر سے ممکن نہ ہوا، مولانا تھانوی علیہ الرحمۃ کے ملفوظات ہزار ہا ہزار زندگیوں کو اسلام کی حقیقت سے آشنا، احسان کی گہرائیوں سے واقف، عرفان رب کے البیلے سبق اور صفائی معاملات کے مؤثر درس دے رہے ہیں۔ (ملفوظات محدث کشمیری، ص ۱۹-۲۱)

فقہ پر لکھا تو علم کا دریا بہا دیا اور ادب کے شفاف چشمے ان کے قلم سے پھوٹ پڑے، کوئی جواب ہے ان جملوں کا؟:

فقہاء اربعہ نے حدیث وقرآن سے اسلامی قانون کا جس محنت اور جاں فشانی سے ذخیرہ جمع کیا، وہ تاریخ عالم کا ایک بے مثال کارنامہ اور ایک ایسی خدمت ہے جس کی نظیر مذاہب وملل کی تاریخ پیش کرنے سے عاجز ہے، اس کے ساتھ امت کی فراخدلی اور حق پسندی بھی قابل داد ہے کہ حق وصواب کو کسی ایک فقہ کا مخصوص حصہ قرار نہیں دیا، بلکہ حق کو چاروں فقہ کی ایک بے بہا دولت قرار دے کر حق پژوہی کا اعلان کر دیا، مگر اس کو کیا کیا جائے کہ پچھلوں نے فقہ کے میدان کو بھی رزم گاہ بنا چھوڑا، تاریخ اس کا ثبوت نہیں پیش کر سکتی کہ امام شافعی نے براہ راست امام ابوحنیفہ پر، امام دار الہجرہ نے امام اعظم پر، بطل حریت احمد ابن حنبل نے اپنے پیش رو ائمہ پر کوئی تنقید کی ہو، مدحیہ کلمات اور اعتراف کی صدائے بلند ہر ایک سے ہر (بقیہ: ص/۶ پر)

انقلاب ایران

(ماخوذ: پندرہ روزہ یثرب، ۱۹۸۱ء)

عربی زبان اور اسلامی سائنسی علوم کی ترقی میں ایرانیوں کا حصہ

عربی زبان اپنی منطقی اور اور انتہائی ترقی یافتہ اصول وقواعد کی وجہ سے ایرانی دانشوروں کے لیے کشش رکھتی تھی، چناں چہ پانچ سو سال تک ایرانی عالموں نے خالصتاً ''عربی زبان'' میں تصنیف وتالیف کی اور اس اعلیٰ زبان کو سائنسی اور مذہبی دونوں مقاصد کے لیے استعمال کیا۔

وآن گرون بام اس کی طرف اشارہ کر کے لکھتا ہے: ''ان ایرانیوں نے جنھوں نے عربی زبان کی ترقی میں کردار ادا کیا تھا، شاذ ونادر ہی اپنے قومی پس منظر پر زور دیا، اسلام میں یک ثقافتی روایت کی نوعیت اور ارتقا پر مضامین، قرآن کریم کے عظیم مفسر زمخشریؒ (ایک ایرانی ۱۱۴۳ء) اپنی تفسیر قرآن کے دیباچہ میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہیں کہ اس نے انھیں عربی زبان کا علم اور شوق عطا فرمایا۔ ابن درید (۹۳۳ء) ابوالحسین فارس اوائل گیارہویں صدی عیسوی، مہیار الدیلمی (۱۰۰۳ء) اور شریف الرازی (۱۰۱۶ء) ان ایرانیوں میں سے چند ایک ہیں جنہوں نے عربی شاعری میں اعلی مقام حاصل کیا اور خود کو عربی زبان کے لئے وقف کر دیا تھا۔

نیشاپور کے ابومنصور کی کتاب یتیمۃ الدہر (زمانے کا نادر موتی) جو عربی نظموں کا ایک قابل قدر منتخب مجموعہ ہے اور جو تقریباً ۱۰۰۰ء میں لکھی گئی تھی، اس دور (۴۰۳-۳۵۰ھ-۱۰۱۳-۹۶۱ء) میں ایران کے ادبی ماحول کے متعلق معلومات کا ایک بیش بہا خزانہ ہے اور اس سے عربی زبان کی وسعت کا غیر معمولی اندازہ ہوتا ہے کہ اسے ایران کے طول وعرض میں کس قدر فروغ دیا گیا تھا، ہم ایرانی شعرا کو دیکھتے ہیں کہ وہ اپنے ایرانی سرپرستوں کو بہترین عربی نظموں میں مخاطب کرتے ہیں۔ اور بعض اوقات وہ فی البدیہہ نظمیں بھی کہتے ہیں۔

ایک اور تصنیف القصر از الحسین ابن علی البخاری (۱۰۷۴ء) میں ہمیں ان کثیر التعداد ایرانیوں کو

دیکھ مسرت ہوتی ہے جن کا عربی نظموں کے مصنفوں کی حیثیت سے تذکرہ کیا گیا ہے۔اس کتاب میں بکثرت ایسے ایرانیوں کے نام ملتے ہیں جنھوں نے عربی میں نظمیں لکھیں۔اور نثر کے مجموعے شائع کئے۔

فارسی زبان کا طالب علم یہ محسوس کرتا ہے کہ اسے سنسکرت یا دوسری آریائی زبانوں سے اتنا سرو کار نہیں ہے جتنا کہ عربی زبان سے ہے، اور سب سے بڑی بات یہ کہ فارسی کے لئے عربی رسم الخط اختیار کیا گیا جس سے پوری زبان میں انقلابی تبدیلی پیدا ہوگئی۔

آٹھویں صدی سے تیرہویں صدی عیسوی تک اسپین سے سندھ تک پوری دنیائے اسلام ایک لسانی وحدت بن گئی تھی۔دنیائے اسلام کا یہ اہم لسانی اتحاد ایرانیوں نے نہیں توڑا بلکہ ترکوں اور منگولوں نے اسے ختم کیا اور فارسی کو درباری زبان کے واسطے اختیار کرلیا۔ترک حکمران مثلاً غزنوی، سلجوقی اور تیموری خاندانوں کے دور میں عظیم ترین فارسی شعرا پیدا ہوئے جنھیں اعلیٰ مدارج سے سرفراز کیا گیا۔ترکوں اور منگولوں کے دور حکومت ہی میں فارسی کو فروغ حاصل ہوا۔

ایرانی ادب محمود غزنوی کے زمانہ (۱۰۳۰ء-۱۰۰۰ء) میں اپنے انتہائی عروج پر پہنچ گیا،لیکن یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ اس کے بعد میں بہت سے ایرانی مصنّفین عربی زبان میں لکھتے رہے۔اسی طرح بہت سے عرب مصنّفین بھی ایرانی ثقافت اور ادب میں جذب ہو گئے اور انھوں نے فارسی میں کتابیں لکھیں۔''عربوں اور ایرانیوں کے کردار اور خصوصیات کے اس باہمی امتزاج سے نہایت اہم ثقافتی نتائج پیدا ہوئے''۔(ڈاکٹر ایس ایم عبداللہ اسلامک ریسرچ ایسوسی ایشن سیریز)

بالآخر ۱۲۵۸ء میں ہلاکو خان کے ہاتھوں بغداد کی تباہی اور ایران میں اس کی حکومت کے قیام کے بعد جس کا سلسلہ ۱۰۰/سال سے زیاد عرصہ تک قائم رہا،عربی زبان کی جگہ فارسی کو دے دی گئی۔ہم ذیل میں ایرانیوں کے اس اعلیٰ کردار کا خلاصہ بیان کرتے ہیں جو انہوں نے اسلام کے متعدد مذہبی علوم کے سلسلہ میں ادا کیا:

(الف) پیغمبر اسلام کی زیادہ تر سوانح عمریاں ایرانیوں نے لکھیں۔

(ب) احادیث کے چھ مجموعوں میں سے جنھیں سنی مسلمانوں نے مستند تسلیم کیا ہے۔چار ایرانیوں نے مدون کیں۔

(ج) سب سے مقبول سنی فقہ حنفی کو ایک ایرانی نے رائج کیا۔

(د) سب سے مشہور صوفی سلسلے ایرانیوں نے شروع کئے۔یہی وہ منظم نظام تھا جس سے برصغیر اور جنوب مشرق ایشیا میں اسلام پھیلا۔

(ہ) دسویں صدی عیسوی خراسان کے شاہی خاندان سامانی نے ترک قبیلوں کو مشرف با سلام کرنے میں نمایاں کردار ادا کیا۔ یہی وہ ترک قبیلے تھے جنھوں نے غزنوی اور سلجوقی خاندانوں کی داغ بیل ڈالی، جن کے کارناموں کی تاریخ کے صفحات میں نظیر نہیں ملتی۔

(و) ایرانیوں نے مسلمانوں کے بہترین اور قابل ترین منتظمین اور سیاستداں پیدا کئے۔

اب ہم مذکورہ بالا بیان کو واقعات سے ثابت کرتے ہیں صحیح بخاری کے مصنف محمد بن اسمٰعیل البخاری (وفات:۸۷۱ء) صحیح مسلم کے مصنف مسلم بن الحجاج قشیری (وفات ۸۷۵ء) ترمذی کے مصنف محمد بن عیسیٰ ترمذی (وفات ۸۹۲ء) اور النسائی (وقات ۹۱۴ء) تھے۔

اسی طرح قرآن کریم کے بہترین مفسرین مثلاً تفسیر کبیر کے مصنف امام فخر الدین رازی، انوار التنزیل کے مصنف قاضی نصیر الدین بیضادی، تفسیر کاشف کے مصنف علامہ محمود بن عمر محشری اور تفسیر تستری کے مصنف بیہقی بن مقلد تستری ایرانی تھے۔

پہلا شخص جس نے اصول کے موضوع پر لکھا وہ بھی ایک ایرانی نعمان بن ثابت ابوحنیفہ تھے۔ ان کا مرتب کردہ فقہ مسلمانوں میں سب سے زیادہ مقبول ہے۔ بہت سے عظیم صوفی مثلاً حضرت عبد القادر جیلانی، حضرت شہاب الدین عمر سہروردی، عبد الرحمن جامی، عبد الکریم جیلی، بایزید بسطامی نجم الدین کبریٰ، علی الہجویری، خواجہ معین الدین چشتی ایرانی تھے، اسی طرح امام غزالی جو کہ ایک عظیم صوفی اور اسلام کے عظیم ترین ماہر دینیات تھے۔ وہ بھی ایرانی تھے جیسا کہ روسی پروفیسر اے ای کرائکی نے اشارہ کیا ہے۔ ''یہ وہ ایرانی تھے جنھوں نے دینی سائنس کے میدان میں نمایاں کردار ادا کیا اور یہی وہ لوگ تھے جنھوں نے ایک نظام کی شکل دی اور اسے تقویت پہنچائی''۔

اب ہم تاریخ نگاری کے فن کی طرف آتے ہیں۔ انتہائی قابلیت کے حامل مسلم مورخین کی اکثریت ایرانی تھی جس میں چند یہ ہیں:

یعقوبی، طبری، سیوطی، ابن اثیر، ابن کثیر، بلاذری، دارقطنی، بیہقی، واقدی، جمال الدین ابوالقاسم کاسانی، علی طاہر البغدادی، شرف الدین، علی یزدی المالک جوینی، عبد الرزاق سمرقندی ونادری، ابوالفرج علی بن حسین الاصفہانی، المکاری، ابن قتیبہ وغیرہ۔

یحییٰ برمکی، جعفر برمکی اور خالد برمکی جنھوں نے عباسی دورحکومت میں اہم خدمات انجام دیں، ایرانی تھے۔ وہ بہترین منتظم تسلیم کئے جاتے تھے۔ اسی طرح خواجہ حسن نظام الملک طوسی ایک ایرانی تھے، جنہوں نے سلجوق خاندان کے سلطان الپ ارسلان اور ملک شاہ کے تحت وزیر اعظم کی حیثیت سے فرائض

انجام دیئے، انہیں دنیا کے قابل ترین سیاستدانوں میں شمار کیا جاتا ہے۔ان کی کتاب ''سیاست نامہ''مسلم سیاسی فکر اور مسلم سیاسی نظام پر ایک مستند اور معیاری تصنیف ہے۔

اسی طرح ایرانیوں نے پیغمبر اسلام کی سوانح عمریاں (سیرت) بڑی محنت اور جانفشانی سے مرتب کیں۔ اور رسول اکرم ﷺ کے ارشادات (احادیث) کو مرتب کیا اور اسلامی دینیات کی تشکیل کی۔ سائنسی موضوعات پر بڑی کاوش سے کتابیں تصنیف کیں۔قانون کے میدان میں بھی وہ پیچھے نہ تھے،ان ہی حقائق کی بنا پر یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ ایرانیوں نے دوسرے لوگوں کے مقابلے میں سب سے زیادہ مسلم ثقافت کی تعمیر میں حصہ لیا۔

بہرحال یہ ایک طرفہ معاملہ نہیں تھا۔عرب بھی ہمہ گیر قابلیت کے حامل تھے اور تخلیقی مفکر تھے۔ انہوں نے تقریبا ہر میدان میں پہل کی،اسے عملی شکل دی اور انتہائی بلندیوں تک پہنچایا۔عرب اور ایرانیوں کی دوستی ایک ایسا مثالی امتزاج تھا جس کے شاندار نتائج برآمد ہوئے۔اور اس سے نوع انسانی کو عام طور پر،مسلمانوں کو خاص طور پر بے انتہا فائدہ پہنچا۔

''عربوں کی فطری صلاحیت میں ایرانی فکر سے سے تحریک پیدا ہوئی اور عرب اور ایرانیوں کے اوصاف ایک دوسرے کے لئے معاون ثابت ہوئے۔عربی سائنس کا کرشمہ زیادہ تر عربی زبان کی قوت اور اسلامی عقیدے میں ایرانیوں کے تجسس کا رہینِ منّت تھا۔عربی سائنس عرب سائنسی ذہانت کا ثمرہ تھا جسے ایرانی ذہانت نے بارآور کیا'' (چارج سارٹن انٹرڈکشن ٹو ڈی ہسٹری آف سائنس)

اے جی براؤن کے مطابق ''ایک زمانے میں ایران اور عربوں کی ذہنی اور سیاسی زندگی اس قدر گہرے طور پر مربوط اور ایک دوسرے سے مشابہ تھی کہ اسلام کے ارتقا سے متعلق تحقیق کے لئے ان دونوں کا مشترک مطالعہ ضروری ہے۔

نولڈیک کے مطابق ''یونانی'' تہذیب کبھی بالائی سطح کے زیادہ ایرانی زندگی میں داخل نہیں ہوئی اس کے برخلاف عربوں کا مذہب اور ان کے طور طریقے ایرانیوں کی رگ دپے میں سرایت کر گئے تھے'' ایرانیوں نے اپنے آپ کو اسلامی سلطنت میں جذب کر لیا تھا۔جولز بن سے لاہور تک پھیلی ہوئی تھی۔

''اسلام میں غیر عرب عناصر کا عربوں کے ساتھ حلول اور انجذ اب ایسی تیز رفتاری سے عمل میں آیا کہ اس کی مثال نوع انسانی کی تاریخ میں بہت کم ملتی ہے''۔(اے جی براون)

عربوں اور ایرانیوں کی یہ اسلامی تہذیب جس کی مشترکہ زبان عربی تھی۔منگولوں کے یلغار کے بعد انحطاط پذیر ہوگئی،مسلمانوں نے اس سانحہ کے بعد بھی اپنے وجود کو برقرار رکھا۔انہوں نے خود کو سنبھالا

دیا، اور پھر وہ مشرقی یورپ ایشیا اور افریقہ میں نئے افقوں کی تلاش میں آگے بڑھے۔ تاہم وہ ذہنی قوت اور قوت حیات جو عرب ایران کے امتزاج سے پیدا ہوئی تھی، شاذ و نادر ہی کہیں بڑے پیمانے پر موجود تھی۔ البتہ انفرادی ذہنی صلاحیت کی چنگاریاں اب بھی موجود تھیں۔

نسلی تشکیل:

اس برادرانہ وابستگی کے متعلق بحث کرنے کے بعد جو عربوں اور ایرانیوں کے درمیان موجود تھی اور آخر الذکر نے عربی زبان کی ترقی میں جو عظیم کردار ادا کیا تھا۔ ہم ایرانیوں کی نسل اور مذہب کے اہم پہلوؤں پر اظہار خیال کریں گے۔ چونکہ ایران اس وقت انتہائی مشکل دور سے گزر رہا ہے جو اس کی تاریخ میں نقطۂ انقلاب ثابت ہوسکتا ہے، ہمیں چاہیے کہ حقائق کو پوشیدہ رکھے بغیر خواہ وہ کتنے ہی ناخوشگوار کیوں نہ ہوں، صحیح منظر پیش کر دیں۔ اس سے دنیا کے لوگ ایران کو بہتر طور پر سمجھ سکیں گے۔ اور غیر جذباتی طور پر صورت حال کا تجزیہ کر کے مفید نتیجہ پر پہنچ سکیں گے، یہ عام تصور کہ ایرانیوں نے ابتدا ہی سے شیعیت کو قبول کیا تھا۔ اور اس کے ذریعہ اپنا قومی تشخص قائم کیا۔ کلی طور پر بے بنیاد ہے جس کی کوئی اساس نہیں، ہم اس باب میں دلائل سے ثابت کریں گے کہ اہل ایران نے سنی مذہب اختیار کیا تھا اور اس پر نو سو سال تک قائم رہے۔ حتی کہ سولہویں صدی عیسوی میں صفوی حکمرانوں نے انہیں بزور شمشیر شیعہ مذہب قبول کرنے پر مجبور کیا۔

اسی طرح ایران کے لوگ آریائی نہیں ہیں جیسا کہ عام طور پر کہا جاتا ہے، آج کے ایران کے شہری ایک مخلوط قوم ہیں جو ایشیا کی اُن مختلف نسلوں پر مشتمل ہے جو ان علاقوں میں گزشتہ کئی صدیوں کے دوران آباد ہو گئی تھیں۔ اس کی تفصیلات پر یہاں ہم روشنی ڈالیں گے۔

موجودہ ایرانی قوم میں نہ تو لسانی اعتبار سے اور نہ نسلی لحاظ سے یکسانیت پائی جاتی ہے۔ جدید ایران کی آبادی جن خاص مناصر پر مشتمل ہے وہ یہ ہیں:

(۱) عرب جو کہ زیادہ تر صوبہ خوزستان میں پائے جاتے ہیں یہ صوبہ پر اس صدی کے آغاز میں عربستان کے نام سے مشہور تھا۔ اس کے علاوہ عربوں کی اولاد کافی تعداد میں خراسان میں بھی پائی جاتی ہے۔ جہاں عرب بدوی جیسے حضرت عثمانؓ کے دور خلافت میں تاتاریوں سے دفاع کے لئے آباد کئے گئے تھے۔

(۲) کرد شمال مغربی علاقہ کے کرمان شاہ کے صوبے میں پائے جاتے ہیں۔

(۳) ترک، آذربائیجان، خراس، اور گروہوں کی شکل میں ایران کے تمام علاقوں میں پائے جاتے ہیں۔ عباسی خلیفہ معتصم باللہ کے دور حکومت میں ترکوں کی بھاری تعداد وسطی ایشیا سے یہاں آنا شروع ہوئی، جس کا سلسلہ غزنوی، سلجوقی، خوارزم شاہی، تیموری، صفوی اور قاچاریوں کے زمانے تک جاری رہا۔ علاوہ ازیں

منگولوں کے متعد گروپ ہلاکوخان اوران کی اولاد کے دور میں یہاں آباد ہو گئے تھے۔

(۴) بلوچی ایرانی بلوچستان کے علاقہ میں جو پاکستانی سرحد سے بندرعباس تک پھیلا ہوا ہے، آباد ہیں۔

(۵) پاتھیں یا قدیم ایرانی جو وسطی علاقوں میں پائے جاتے ہیں۔اس طرح آج کی ایرانی قوم پانچ خاص گروپوں پر مشتمل ہے: عرب، کرد، ترک، بلوچ اور قدیم ایرانی۔

رچرڈ فرائی کی کتاب ایران کے درج ذیل اقتباسات نہایت ہی معلومات افزا ہیں، خوزستان کا جنوب مغربی صوبہ حقیقت میں عراق کے میدانی علاقوں کی ایک توسیع ہے۔یہاں زیادہ تر مقامی آبادی عربی زبان بولتی ہے، لیکن خوزستان کے عرب جدید ایران کی حکومت یا معیشت میں کوئی خاص اہمیت نہیں رکھتے، خوزستان کے ایرانیوں اور عربوں کے تعلقات کو بمشکل خوش گوار کہا جا سکتا ہے۔

ایران میں سے بڑا اقلیتی گروپ ترکوں پر مشتمل ہے جو آذربائیجان اور خراسان میں آباد ہیں۔ آذربائیجان کے جنوب میں صوبہ فارس میں ترکی قشیار قبائلی اس صوبے کے سب سے زیادہ طاقتور خانہ بدوش ہیں جبکہ خراسان کے مشرقی حصہ میں افشار ترکی قبیلہ کے لوگ بڑی تعداد میں پائے جاتے ہیں۔مشرق قریب پر ترکوں کے حملے یا ان کی یلغار نے اس پورے علاقہ کا نقشہ بدل دیا۔گیارہویں صدی عیسوی کے سلجوق فاتحین کے زمانے سے پہلی جنگ عظیم تک مشرق قریب کے حکمران زیادہ تر ترکی النسل تھے، لیکن عرب اور ایرانیوں نے کبھی ان کی حکومت کی مذمت نہیں کی۔یہ کم وبیش عام عقیدہ تھا کہ ترک لوگوں کا مقدور حکمرانی کرنا ہے جب کہ ایرانی فنون کے ماہر ہیں اور عرب مذہب سے وابستہ ہیں۔

۱۰۰۰ء سے اب تک پورے ایران یا اس کے بعض حصوں پر مندرجہ ذیل شاہی خاندان حکومت کرتے رہے۔جو زیادہ تر ترک تھے۔

غزنوی ۱۰۰۰ء، سلجوقی ۱۰۳۷ء-۱۱۹۴ء، خوارزم شاہی ۱۱۳۰ء-۱۱۶۰ء اور اتابک ۱۱۴۸ء-۱۱۶۵ء، منگول ۱۲۵۸-۱۳۸۰، ۱۵۰۰۰ء، صفوی ۱۷۳۶-۱۵۰۲ء، افشار ۱۷۴۷-۱۷۳۶ء، قاچار ۱۷۷۹-۱۹۲۵ء، غزنوی سلجوقی، خوارزم شاہی، اتابک تیموری، صفوی، افشار اور قاچار خالصتاً اور مکمل طور پر ترک تھے۔گو شاہ اسمعیل صفوی کا دعویٰ تھا کہ وہ پیغمبر اسلام کی اولاد میں سے ہیں، لیکن ان کی فوج ترک سپاہیوں پر مشتمل تھی، جو قزلباش اس کے نام سے مشہور تھی، ان ہی قریب قزلباش ترکوں نے صفوی دور میں ایران پر حکومت کی۔

آرنولڈ ولسن کے مطابق کوئی بھی دوسری نسل اسی قدر مخلوط نہیں ہے جتنی کہ ایرانی ان کی رگوں میں مختلف خون دوڑ رہے ہیں۔یہ مختلف نسلوں سے تعلق رکھتے ہیں۔

☆——☆——☆

خلیفہ راشد اوّل

از: سید حمدان شاہ مسعودی

باز آ کہ در فراقِ تو چشم امیدوار ☆ چوں گوش روزہ دار بر اللہ اکبر است

سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی شخصیت اور نام ونسب معروف ہے، ثانی اثنین سے قرآن مجید میں آپ ہی کی جانب اشارہ ہے، مزاج نبوت وشریعت کے شناسا اور مقام صدیقیت پر فائز، نبوت کے بعد سب سے بڑا درجہ صدیق اکبر آپ ہی کا ہے، رسول اللہ کو مشورہ دینا اور رسول اللہ کا اس کو قبول کرنا ہی آپ کے اخلاص کی زبردست علامت ہے۔ حضور علیہ السلام کی مصاحبت سے کبھی دور نہیں رہے، تقریباً تمام ہی غزاوت میں شرکت کی؛ آپ کے علمی، عملی و سیاسی جوہر اور آپ کی شخصیت کا اصل ظہور نبی کے اس دنیا سے پردہ فرما جانے کے بعد ہی ہوا، آپ کی خلافت کا نعرہ اس وقت لگا جب دور دور تک جب کسی مومن ے وہم وگمان میں نہ تھا، وجہ یہ تھی کہ رسول اللہ ﷺ بیمار پڑنے کے بعد صحت یاب ہو گئے اور صحابہ نے اطمینان کی سانس لی کہ ابھی رسول اللہ ہمارے درمیان موجود رہیں گے، حضرت علی جو کہ آپ علیہ السلام کی تیمارداری میں مسلسل مصروف تھے، حجرے سے باہر آ کر فرمایا کہ الحمدللہ ہمارے نبی صحت یاب ہو گئے ہیں اور پھر نزع شروع ہوا اور وفات پر ایک عجیب ماحول بن گیا، کسی کا بھی اس خبر پر یقین کرنا دشوار ہو گیا، حالانکہ موت ایک تلخ حقیقت ہے، یہاں تک کہ فاروق اعظم جو ایک عبقری شخصیت کے حامل ہیں، ان کے بھی ہوش وحواس باقی نہ رہے، جس وقت رسول اللہ کی وفات پا جانے کی خبر گردش کرنے لگی بعض صحابہ اظہارِ غم ومحبت میں حد سے تجاوز کر گئے، ایک صحابی نے تو آپ کی وفات کا ہی انکار کر دیا، دوسرے صحابی نے اپنی بینائی کے رفع کی ہی دعا کر ڈالی، تیسرے صحابی کے دل نے کام کرنا بند کر دیا، ایسے موقعے پر سیدنا ابوبکر صدیق بھرے مجمع میں تشریف لائے، ایک جامع کلام کیا اور رنجیدہ وزخمی دلوں پر سکون بخش مرہم رکھا، خلافت کی بنیاد رکھنے کے بعد اور سخت مشکلات کو زیر کر کے آپ نے اپنے بعد آنے والوں کے لئے راستہ

ہموار کیا اور اس حالت میں کہ آپ اپنی عمر کا ایک تہائی حصہ تقریباً مکمل کر چکے تھے اور اس مقام پر آ گئے تھے جس میں ایک انسان ذہنی اور جسمانی سکون چاہتا ہے اور غم برداشت کرنے کی صلاحیت اس میں کم ہوتی جاتی ہے، ایسے موقعے پر رسول اللہ کے سانحۂ وفات سے دوچار ہونا پڑا اور ایسے عظیم غم کو برداشت کرنا پڑا، پھر آپ نے نہ صرف برداشت کیا بلکہ مکمل ثابت قدم رہے اور جب امت محمدیہ کو ضرورت پڑی تو فوراً اٹھ کھڑے ہوئے، اسی جوش اور ولولہ کے ساتھ آپ کا خون گرم ہوا، جس کا مظاہرہ عہد نبوی میں کیا تھا، آپ نے اپنی ذہانت اور حلم سے بڑے بڑے فتنوں کا قلع قمع کیا اور جہاں شجاعت و ہمت کی ضرورت ہوئی وہاں پوری جرأتِ رندانہ سے اسلام کا سر بلند کیا، یہاں تک کہ علمائے معبرین لکھتے ہیں کہ آپ کو خواب میں دیکھنے کی پہلی تعبیر یہ ہے کہ ولایت وخلافت نصیب ہوگی، باعزت ہوگا اور سچ بولے گا، دوسری تعبیر یہ ہے کہ لوگوں پر شفقت کرے گا یا علم کی دولت سے سرفراز ہوگا، مقصد بتانے کا یہ ہے کہ آپ ایسی عجیب وغریب اور نادر شخصیت کے مالک ہیں کہ اس کا اثر خواب کی تعبیرات میں بھی نمایاں ہوگیا، رسول اللہ کی آنکھ بند ہوجانے کے ساتھ ہی منافقین و فاجرین چست ہوگئے اور دشمنان اسلام میں ایک جوش پیدا ہوگیا، کفار جوق در جوق آنے لگے، نت نئے فتنوں نے جنم لیا، اکثر لوگوں نے زکوۃ کا انکار کر دیا، ادھر مسیلمہ کذاب نے اپنا ایجنڈا شروع کیا اور اس کو کافی حد تک استحکام ملا، گویا مشکلات وخطرات کا ایک پہاڑ سیدنا ابوبکر صدیق کے سامنے تھا، لیکن آپ غمگین نہیں ہوئے، نہ آپ نے ہمت ہاری، جب کہ بعض اصحاب کی رائے تھی کہ فی الحال کوئی جنگ مناسب نہیں، مگر آپ راضی نہیں ہوئے اور یہ کہتے ہوئے مشورہ قبول نہیں کیا کہ مجھ پر لازم ہے کہ میں ایسے لوگوں کے ساتھ جنگ کروں جو صلاۃ وزکوۃ میں فرق کر رہے ہیں، کھڑے ہوگئے، جنگ کا ارادہ کیا اور کمر بستہ ہوگئے، گویا آپ نے رسول اللہ کی تعلیمات کو مضبوطی سے تھامے رکھا۔ اسی بنیاد پر مؤرخینِ اسلام کا دل قابو میں نہیں رہتا اور بے ساختہ بول اٹھتے ہیں:

در دلم بود کہ جاں بر تو فشانم روزے ☆ باز در خاطرم آمد کہ متاعیست حقیر

آپ کی حیات مبارکہ میں چند ایسے واقعات بھی پیش آئے جن میں آپ نے اپنے دین کا مظاہرہ اس شان کے ساتھ کیا کہ قارئین کے رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں، آپ اولین مسلمین میں سے ہیں اور فرزند ابھی مشرف بہ اسلام نہیں ہوئے تھے، جنگ بدر میں سامنا ہوا اور رسول اللہ کو فتح نصیب ہوئی، خدا تعالیٰ نے توفیق دی تو حضرت ابوبکر کے فرزند بھی ایمان لے آئے، فرمایا: اپنے والد سے، جنگ بدر کے دوران آپ بارہا میری زد میں آئے، لیکن والد ہونے کے سبب جانے دیا تو جواب میں فرمایا کہ تیرا کفر کمزور تھا، جو تجھے یہ خیال آیا، ورنہ اگر تو میری تلوار کی زد میں آتا تو بخدا تیرا کام تمام کر دیتا، یہ ہے آپ کی

بلند ایمانی۔ آپ کی جُود وسخا اس شان کی تھی کہ جب واقعہ افک پیش آیا اور حضرت عائشہ صدیقہ پر بہتان تراشی کی گئی، آپ کے خالہ زاد بھائی حضرت مسطح نے بھی اس میں کسی قدر حصہ لیا، جب یہ آپ کو معلوم ہوا تو ناراض ہوکر آپ نے قسم کھالی کہ میں مسطح کی امداد بند کردوں گا، مسطح مفلوک الحال تھے اور حضرت ابوبکر ہی آپ کی پرورش کرتے چلے آرہے تھے، لیکن جب حضرت عائشہ کی براءت کی خبر بذریعہ وحی معلوم ہوئی اور پھر سورۂ نور کی وہ آیت (اور قسم نہ کھائیں وہ جو تم میں فضیلت والے اور گنجائش والے ہیں الیٰ آخرہ) نازل ہوئی تو بے حد خوش ہوئے اور فرمایا کہ قرآن میں مجھے فضیلت والوں میں شمار کیا گیا ہے، لہٰذا آپ نے اپنے بھائی کا خرچہ تاحیات مقرر کردیا، وفات کے وقت بھی عظیم الشان احسان فرمایا کہ آپ نے وصیت فرمائی کہ میرے بعد عمر امیر المومنین رہیں گے، آپ کا وصال جس وقت ہوا تو وہ ایک واحد ایسا وصال تھا جس نے رسول اللہ کی وفات کی یاد تازہ کردی اور وہی ماحول برپا ہوا جو صحابہ نے رسول اللہ کی وفات پر محسوس کیا تھا اور لگا جیسے رسول اللہ دوبارہ اس دنیا سے تشریف لے گئے ہیں، یہ تھی سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی شان، آپ کا مرتبہ، آپ کا مقام، خداوند قدوس ہمیں سیدنا ابوبکر جیسی شانِ محبوبیت عطا فرمائے، آمین یا رب العالمین!

☆

جامعہ کی سرگرمیاں

مولانا سید فضیل احمد ناصری
استاذِ حدیث و نائب ناظمِ تعلیمات جامعہ ہذا

ماہ نامہ محدثِ عصر کی تجدید اور رجسٹریشن

محبانِ جامعہ کے لیے ایک بڑی اچھی خبر یہ ہے کہ ادارے کا علمی، اصلاحی، فکری و ادبی ترجمان ماہ نامہ محدثِ عصر کے رجسٹریشن کا مسئلہ بحمد اللہ حل ہو گیا ہے۔ یہ وقیع رسالہ فخر المحدثین حضرت مولانا سید محمد انظر شاہ کشمیری قدس سرہ نے ۲۰۰۱ء میں جاری فرمایا تھا اور بڑی کامیابی کے ساتھ اپنی خدمات پیش کر رہا تھا، مگر لاک ڈاؤن کے وقت اس کی خدمات رجسٹریشن آفس کی جانب سے روک دی گئیں۔ لاک ڈاؤن ختم ہوا تو اس کا دوبارہ اجرا مشکلوں کی زد میں آ گیا۔ ہزار جتن کے باوجود اسے جاری نہ کیا جا سکا، لیکن اللہ کا کرم شاملِ حال ہوا اور رجسٹریشن کے سارے مسائل حل کر لیے گئے۔ اب یہ شمارہ آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ ربِ کریم بلا توقف و تخلف اس کی خدمات جاری و ساری رکھے۔

سالانہ انعامی اجلاس کا انعقاد

دفترِ تعلیمات کے اعلان کے مطابق ہی ۴ / جنوری ۲۰۲۴ء کو جامعہ کا سالانہ انعامی جلسہ منعقد کیا گیا، جس میں نمایاں کامیابی حاصل کرنے والے طلبہ کو نقد روپے اور کتابی صورت میں انعامات سے نوازا گیا۔

اس موقع پر رئیس الجامعہ حضرت مولانا سید احمد خضر شاہ مسعودی کشمیری دامت برکاتہم نے اپنے صدارتی خطاب میں کہا کہ آپ کو ملنے والے یہ انعامات آپ کی محنتوں اور کاوشوں کے عکاس ہیں۔ جو طلبہ امتیازی پوزیشن لانے میں کامیاب رہے وہ ان کی غیر معمولی جد و جہد، انتھک قربانیوں اور شبانہ روز مساعیٔ جمیلہ کے ثمرات ہیں۔ اگر ان کی محنتوں میں یہی تسلسل قائم رہا تو مستقبل میں اللہ تعالیٰ ان سے بڑے کام لیں گے۔ شاہ صاحب مدظلہٗ نے ان تمام اساتذہ کی کاوشوں کو سراہا جنہوں نے انعامی اجلاس کو کامیاب

بنانے میں ہر ممکن قربانی دی۔

امام العصر علامہ سید محمد انور شاہ کشمیریؒ کی ننہیال دودوادن، کپواڑہ کشمیر سے تشریف فرما معزز مہمان حضرت مولانا محمد اقبال صاحب مدظلہ مہتمم دارالعلوم دودوان کشمیر نے کہا کہ ماشاءاللہ انعام میں آپ کو زبردست کتابیں دی گئیں۔ آپ سے کہنا یہ ہے کہ جس ادارے نے آپ کو آپ کو اس قابل بنایا ہے، اس کا حق ہے کہ اس سے محبت کریں! اس کے ایک ایک استاذ سے، حتیٰ کہ دربان سے بھی۔ آپ کا یہ جذبہ آپ کو آگے بڑھانے میں مدد دیتا رہے گا۔ انہوں نے کہا کہ اس ادارے کے بانی فخر المحدثین حضرت مولانا سید محمد انظر شاہ کشمیری قدس سرہ کے اخلاص کا ثمرہ ہے کہ جامعہ نے صبا رفتار ترقی حاصل کی اور ان کی جلائی ہوئی یہ شمع اب منارۂ نور بن چکی ہے۔

جامعہ کے صدر المدرسین محترم جناب مفتی وصی احمد بستوی زید مجدہم نے طلبہ کو نصیحت کرتے ہوئے کہا کہ اپنے آپ کو خوب سے خوب تر بنانے کی کوشش میں لگیں! آپ کی زندگی کا مقصد اعلاء کلمۃ اللہ ہونا چاہیے۔ جب قادیانیت کا فتنہ اٹھا تو امام العصر علامہ کشمیریؒ نے بڑے ہی سوزِ دل سے فرمایا: اگر ختمِ نبوت کا تحفظ بھی ہم سے نہ ہوسکا تو گلی کا کتا بھی ہم سے بہتر ہے۔ علامہ کے اس ملفوظ میں ہمارے لیے بڑا سبق ہے۔

محترم جناب مولانا صغیر احمد پرتاب گڑھی زید مجدہم استاذِ حدیث جامعہ ہذا نے کہا کہ انعامی اجلاس طلبہ کی حوصلہ افزائی کے لیے منعقد ہوتے ہیں۔ محنت اور اخلاص ہی دنیا اور آخرت میں کام آنے والے ہیں۔ بغیر جفاکشی اور جاں کاہی کے کوئی سنگِ میل عبور نہیں ہوتا۔

مفتی نثار خالد دیناجپوری زید مجدہم استاذِ حدیث جامعہ نے کہا کہ انعام میں کتابیں مل رہی ہیں۔ ان کا حق ہے کہ انہیں پڑھا جائے۔ پڑھنا اور مسلسل پڑھنا ہی ایک طالبِ علم کی شناخت ہونا چاہیے۔ جس قدر پڑھتے جائیں گے شریعت کی شاہ راہ اسی قدر نمایاں ہوتی جائے گی۔

اس موقع پر احقر سید فضیل احمد ناصری نے جامعہ کی سالانہ تعلیمی رپورٹ بھی پیش کی۔ طلبہ کو سوا دو لاکھ روپے کی کتابیں انعام میں دی گئیں۔ تمام درجات کے اول، دوم اور سوم پوزیشن والوں کو گراں قدر کتابوں سمیت نقد روپے بھی خصوصی انعام میں دیے گئے۔ ممتاز فی الجامعہ کو بھی اعزازی انعام دیا گیا۔ صد فی صد حاضری والے طلبہ کی بھی حوصلہ افزائی کی گئی۔ احقر نے طلبہ سے کہا کہ امتحان ایک سنجیدہ اور تاثیر سے عبارت عمل ہے، اسے ہلکے میں لینے والا ہمیشہ خسارے میں رہتا ہے اور امتحان میں ممتاز مقام وہی طلبہ پاتے ہیں جو اس کے لیے خصوصی تیاریاں کیے ہوتے ہیں۔ امتحان کے بعد والی ندامت ایسی ندامت ہے جس کی تلافی محال ہوا کرتی ہے، لہذا علم کی تحصیل میں ہمیشہ چست و درست رہیں۔ خاکسار نے اجلاس میں

تعاون کرنے والوں کا خصوصی شکریہ ادا کیا۔ نظامت کے فرائض بھی ناچیز نے ہی انجام دیے۔

اجلاس کے نگراں محترم مولانا طلحہ اعظمی زیدمجدہم استاذِ حدیث جامعہ نے سبھی کا شکریہ ادا کیا۔ اس موقع پر جامعہ کے تمام اساتذہ، عملہ اور طلبہ موجود رہے۔

پوزیشن لانے کے اعزاز میں گراں قدر انعامات وصول کرنے والے طلبہ کے نام:

درجۂ ناظرہ: محمد دانش مظفر نگر (اول)، عبدالصمد سہارن پور (دوم)، جنید بجنور (سوم)

درجۂ حفظ: احمد لبیب (اول)۔

درجۂ اعدادیہ: عبدالمطلب ارریہ (اول) سلمان اختر پورنیہ (دوم) اسید احمد مدھوبنی (سوم)

عربی اول: محمد حسان لکھیم پور (اول)، ریحان پنجاب (دوم)، ظہیر خان ہریانہ (سوم)۔

عربی دوم: محمد حسان سہارن پور (اول)، محمد انس سہارن پور (دوم)، عفان اطہر مغربی بنگال (سوم)۔

عربی سوم: اعظم قریشی ایم پی (اول)، توقیر عالم سپول (دوم)، علیم الدین پورنیہ (سوم)۔

عربی چہارم: محمد تسلیم جودھپور (اول)، محمد اسلم ارریہ (دوم)، عبیداللہ مظفر نگر (سوم)۔

عربی پنجم: محمد مظہر الحق جھارکھنڈ (اول)، عبیدالحق تلنگانہ (دوم) محمد سلمان خورشید احمد مہاراشٹر (سوم)۔

دورۂ حدیث شریف: نور محمد متھرا (اول)، شیخ مبارک آندھرا (دوم)، ناصر الاسلام کشمیر (سوم)۔

تکمیلِ افتا: محمد آصف سیتاپور (اول)، محمود خان راجستھان (دوم)، امتیاز احمد کشمیر (سوم)۔

عزیزم عبدالمطلب ارریہ متعلّم درجۂ اعدادیہ تقریباً ۸۷ / کا اوسط حاصل کر کے ممتاز فی الجامعہ کے انعام سے بھی سرفراز ہوئے۔ واضح رہے کہ انعام انہیں طلبہ کو دیا گیا جو اجلاس میں شریک ہوئے۔

مسجدِ انور شاہ کی اصلاح

جامعہ کی مسجد جو امام العصر علامہ سید محمد انور شاہ کشمیریؒ کی طرف منسوب ہے، انقلابِ دوراں کی وجہ سے متاثر ہوگئی تھی۔ ہوا یہ کہ پچھلے چند ماہ پہلے موسلادھار اور تابڑ توڑ بارش کے سبب مسجد کا اندرونی حصہ دھنس گیا، جس نے مسجد کا فرش بری طرح خراب کر دیا۔ سنگِ مرمر بھی ناکارہ ہو کر رہ گیا۔ اس حادثے کی وجہ سے اندرونی حصے میں نماز بھی موقوف کر دی گئی۔ الحمدللہ اب اس کی اصلاح کر دی گئی ہے اور نمازیں بھی شروع کر دی گئی ہیں۔ اس اصلاح و مرمت میں خطیر رقم صرف ہوئی۔

رواقِ انظر کی تعمیر

جامعہ کو اپنی نیک خواہشات پیش کرنے والوں کے لیے ایک بڑی خوش خبری یہ ہے کہ رواقِ انظر جس کا سنگِ بنیاد ۲۰۱۹ء میں رکھا گیا تھا، اس کی تعمیر کا سلسلہ جاری ہے۔ ۱۸ / کمرے تعمیر ہو چکے ہیں، جن

میں سے ۹/ کمرے تکمیل کے مرحلے سے گزر کر طلبہ کی رہائش کے کام آ رہے ہیں۔ بقیہ کمرے بھی تکمیل کے قریب ہیں، امید ہے کہ ان شاء اللہ شوال المکرم سے رہائش کے قابل ہو جائیں گے۔ واضح رہے کہ بانیٔ جامعہ فخر المحدثین حضرت مولانا سید محمد انظر شاہ کشمیریؒ کے اسمِ گرامی سے منسوب یہ بلڈنگ تین منزلہ ہوگی، جس میں کل ۴۵/ کمروں کی تجویز ہے۔ قارئین سے اس کی تکمیل کے لیے دعاؤں کی درخواست ہے۔

امتحانِ سالانہ کی تیاریاں

سالانہ امتحان کا وقت قریب آتے ہی طلبہ کی تیاریاں زوروں پر ہیں۔ کتابیں بھی مقررہ مقدارِ خواندگی کے مطابق اپنی رفتار سے پڑھائی جا رہی ہیں۔ دفترِ تعلیمات سے جاری اعلامیے کے مطابق تمام اسباق ۲۶/ رجب المرجب تک بند کر دیے جائیں گے، اس کے بعد طلبہ کو یکسوئی کے ساتھ بھرپور تیاری کا موقع دیا جائے گا۔ تاہم طلبہ کی توجہ تکرار و مطالعہ کی طرف بہتر انداز میں چل رہی ہے۔ سالانہ امتحان چار شعبان سے شروع ہو کر ۱۶/ شعبان تک جاری رہے گا۔ ۱۷/ شعبان سے تعطیلِ کلاں ہو جائے گی۔

جامعہ میں ششماہی اور سالانہ امتحان کے موقع پر ممتاز اداروں کے چیدہ چنیدہ اساتذہ کو مدعو کیا جاتا ہے، تاکہ جامعہ کی تعلیمی کیفیت مزید در مزید معیاری ہو۔

ماہانہ امتحان کے نتائج

طلبہ کی صلاحیت کو جلا بخشنے اور اسے مستحکم کرنے کے لیے جامعہ میں ماہانہ امتحان کا نظم بھی چلا آ رہا ہے۔ جس میں اعدادیہ اور عربی اول تا عربی سوم کی جماعتوں کی تیاریوں کا قاعدے سے جائزہ لیا جاتا ہے۔ رواں سال آخری ماہانہ امتحان ۲۱/ جنوری کو منعقد ہوا۔ الحمدللہ تمام ہی طلبہ نے بھرپور تیاری کے ساتھ امتحان دیا اور کامیابی سے ہمکنار رہے۔ ہر جماعت کے پوزیشن یافتہ طلبہ کے نام جماعت وار قلم بند کیے جا رہے ہیں:

اعدادیہ: عاصم مقبول کشمیری (اول)، محمد راحت علی ارریہ (دوم)، غلام مرتضیٰ جھارکھنڈ (سوم)۔

عربی اول: محمد سلمان اختر پورنیہ (اول)، اسید احمد مدھوبنی (دوم) غفران گوتم بدھ نگر (سوم)۔

عربی دوم: محمد حسان لکھیم پور (اول)، محمد نثار احمد منی پور (دوم)، مختار میاں مغربی چمپارن (سوم)۔

عربی سوم: عبدالرحمن راجستھان (اول)، صہیب عالم مغربی چمپارن (دوم)، انس پنجاب (سوم)۔

انجمن کواکبِ انور کے سالانہ مسابقے

طلبۂ جامعہ کی محبوب ترین مشقی مجلس: انجمن کواکبِ انور روزِ اول سے ہی فعال کردار ادا کر رہی ہے۔ اس انجمن سے وابستہ ہو کر سیکڑوں فضلا اپنی گویائی کو مجلیٰ و مُحلیٰ کر چکے ہیں۔ ہر سال کی طرح رواں سال بھی یہ انجمن کافی متحرک رہی۔ جامعہ کے استاذِ حدیث محترم جناب مولانا ابوطلحہ اعظمی صاحب زید مجدہم اس

کے نگراں اور ناظم محترم جناب مولانا مفتی نثار خالد دیناجپوری صاحب استاذِ حدیث جامعہ ہذا ہیں۔ ان حضرات کی رہ نمائی میں طلبۂ جامعہ نے جامعہ میں منعقد متعدد مسابقے میں شرکت کی۔ رواں سال اب تک تین مسابقے ہوئے۔ پہلا مسابقہ نعت وقرات کا تھا، دوسرا صحافت کا تھا اور تیسرا خطابت کا۔ الحمدللہ تمام ہی مسابقوں میں طلبہ نے جوش وخروش سے حصہ لیا۔ پوزیشن لانے والے طلبہ گراں قدر انعامات سے بھی سرفراز کیے جائیں گے۔ انجمن کا اختتامی پروگرام بھی جلد ہی منعقد ہوگا۔ ان شاءاللہ تعالیٰ۔

طلبہ میں لحاف اور گدوں کی تقسیم

طلبہ کا ہر طرح تعہد اور خبر گیری جامعہ کی بنیادی ترجیحات میں سے ہے۔ لحاف اور گدوں کی تقسیم بھی انہیں ترجیحات کا حصہ ہے۔ جامعہ الحمدللہ ہر سال نادار سردیوں کے موسم میں طلبہ کے درمیان گرم کپڑوں کی تقسیم کرتا ہے، جن میں ہلکے کمبل، گدے، لحاف، صدریاں بھی شامل ہیں۔ رواں سردی میں بھی طلبہ کو مذکورہ سہولیات سے مستفید کیا گیا۔ اس کے لیے جامعہ جناب مولانا زبیر احمد بستوی پونے، جناب فضیل احمد صاحب سعودی عرب، جناب فرخ مصطفیٰ صدیقی، دہلی اور دوسرے اصحابِ خیر کا بے حد شکر گزار ہے، کہ انہیں کی خصوصی توجہات سے امسال بچوں کے لیے یہ انتظامات ممکن ہو سکے۔

حضرت رئیس الجامعہ مدظلہ کا سفرِ گجرات

پچھلے دنوں رئیس الجامعہ حضرت مولانا سید احمد خضر شاہ مسعودی کشمیری مدظلہ گجرات کے سفر پر تشریف لے گئے، جہاں کثیر مسلم آبادی والے علاقے گودھرا میں تبلیغی پروگرام ہوئے۔ اس موقع پر مسجدِ یعقوب اشرف کا سنگِ بنیاد بھی ان کے ہاتھوں رکھوایا گیا۔ حضرتِ حق جل مجدہ اپنے اس نئے گھر کی تعمیر کے لیے جلد از جلد انتظامات فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

احقر سید فضیل احمد ناصری کا دعوتی سفر

بہار کے ضلع دربھنگہ میں اصلاحِ معاشرہ کا ایک بڑا جلسہ منعقد ہوا، جس میں احقر نے بھی خصوصی طور پر شرکت کی۔ یہ جلسہ دارالعلوم دیوبند کے سابق استاذ حضرت مولانا بدرالحسن قاسمی صاحب کے گاؤں ریوڑھا میں ہوا تھا۔ اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے احقر نے کہا کہ آج کل اجلاس میں عوام ہوتے تو بہت ہیں، مگر اصلاح کی نیت ان میں نہیں ہوتی، اسی کا نتیجہ ہے کہ تمام کے تمام اجلاس اپنی معنویت اور افادیت کھو چکے ہیں۔ یہ مقررین بڑی مشکل سے وقت نکال پاتے ہیں۔ ان کے بیانات سے استفادہ کر کے اپنی آخرت سنواریں! اپنے اوقات کو لہو ولعب اور لایعنی مصروفیات میں ضائع نہ کریں! آپ کا وقت بہت قیمتی ہے۔ وقت کا استعمال ہی انسان کو جنتی یا جہنمی بناتا ہے۔

رپورٹ تعلیمات

جامعہ امام محمد انور شاہ دیوبند

بموقع سالانہ انعامی اجلاس بابت ۱۴۴۳-۱۴۴۴ھ مطابق ۲۰۲۲ء-۲۰۲۳ء

سید فضیل احمد ناصری

استاذ حدیث ونائبِ ناظمِ تعلیمات جامعہ ہذا

الحمدللہ و کفی و سلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ: امابعد

صدرِ اجلاس! اساتذۂ جامعہ، مہمانانِ عالی مقام اور عزیز طلبہ! معلوم ہے کہ آج کا یہ اجلاس طلبہ کی محنتوں، کاوشوں اور ان کے حاصل کردہ نتائج کے پیشِ نظر منعقد کیا گیا ہے۔ آپ کا یہ محبوب جامعہ ہر سال پابندی سے اس طرح کا انعامی جلسہ منعقد کرتا چلا آ رہا ہے تاکہ طلبہ کو مدارس برپا کرنے کے مقاصد پر قاعدے سے ابھارا جا سکے۔ جامعہ امام محمد انور شاہ آج سے ۲۵/ سال پہلے منظرِ عام پر آیا۔ بانیٔ جامعہ فخر المحدثین حضرت مولانا سید محمد انظر شاہ کشمیری نور اللہ مرقدہ نے وسیع تر مقاصد کے تحت اس کی بنیاد ڈالی تھی۔ جس وقت یہ ادارہ قائم ہوا تھا، مدارسِ اسلامیہ روایتی منہاج پر چل رہے تھے۔ بانیٔ جامعہ نے دینی علوم کے ساتھ ساتھ عصری علوم کو بھی شامل فرمایا، اس طرح مدراسِ اسلامیہ کو ایک نئی روشنی اور نئی راہ دکھائی۔ روایتی نصابِ تعلیم میں بھی اہم ترمیمات کیں۔ بانیٔ جامعہ کے اخلاص فیضان نظر اور صاحبِ انتساب یعنی خاتم الفقہا والمحدثین امام العصر علامہ سید محمد انور شاہ کشمیریؒ کی برکات وتبرکات کے سبب جامعہ تیزی کے ساتھ آگے بڑھا۔ اپریل ۲۰۰۸ء میں ہمارا یہ گلشن اپنے پاک نہاد مالی سے محروم ہو گیا، مگر مقامِ شکر ہے کہ ان کے فرزند وحید جانشینِ فخر المحدثین حضرت مولانا سید احمد خضر شاہ مسعودی کشمیری مدظلہ مہتمم وشیخ الحدیث جامعہ ہٰذا نے اپنی روایتی اولوالعزمی سے اس کے معیار اور وقار کو گرنے نہیں دیا، بلکہ ہمت مردانہ سے نئے نئے سنگِ میل قائم کرتے رہے۔ ۲۰۰۸ء سے جامعہ میں مشکوۃ شریف کی جماعت کے ساتھ دورۂ حدیث کی جماعت بھی رواں دواں ہے۔ تکمیلِ افتا اور تکمیلِ ادب کے درجات بھی مسلسل مصروفِ عمل ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس مسعود کارواں کو ہمیشہ تازہ دم رکھے۔

عزیز طلبہ! مدارس کا مقصد علما و فضلا کی ایسی جماعتیں تیار کرنا ہے جو تفہیمِ شریعت کی استعداد کی مکمل حامل اور اشاعتِ اسلام کے مبارک جذبے سے ہمہ وقت سرشار ہوں۔اس کے لیے صلاحیت ساز نظامِ تعلیم کے ساتھ سال میں چھوٹے بڑے کئی امتحانات بھی کرائے جاتے ہیں۔یہ امتحانات طلبہ کو خوب سے خوب تر بننے میں مہمیز کا کام کرتے ہیں۔جو طلبہ سالانہ امتحان میں پہلی تین پوزیشنوں پر قابض ہوتے ہیں انہیں گراں قدر خصوصی انعامات سے نوازا جاتا ہے،اور جو طلبہ پوزیشن لانے میں کامیاب نہیں ہوتے انہیں بھی تشجیعی اور عمومی انعامات سے سرفراز کیا جاتا ہے۔ممتاز اور غیر ممتاز طلبہ کے انعامات میں تفریق کی وجہ یہ ہے کہ اعلیٰ نمبرات والے طلبہ اپنے معیار کو گرنے نہ دیں، بلکہ اس معیار کو اور بھی باوزن بنائیں،اور اوسط یا ادنیٰ نمبرات والے طلبہ اعلیٰ نمبرات والے طلبہ سے آگے بڑھنے کی کوشش کریں! یہ نمبرات اور انعامات مسافرانِ تعلم میں مسابقت کا خون گرم کرنے کے لیے ہیں۔النبی الہاشمی فداہ ابی و امی بھی وسیع تر مقاصد کے لیے مسابقے کرایا کرتے تھے اور ممتاز مساہم کی حوصلہ افزائی کے لیے انعامات کی اجازت بھی دی۔اسی کو شاعر نے کہا ہے:

محبت مجھے ان جوانوں سے ہے
ستاروں پہ جو ڈالتے ہیں کمند
خدا اس مسافر کی ہمت بڑھائے
جو منزل کو ٹھکرا دے منزل سمجھ کر

اضیاف المسلمین! امتحان کوئی بھی ہو، اسے معمولی سمجھنا گھاٹے کا سودا ہے۔عند الامتحان یکرم الرجل او یہان جو طلبہ اسے ہلکے میں لیتے ہیں وہ اپنے پاؤں پر کلہاڑی مارتے ہیں اور پچھتانے کے سوا ان کے پاس کوئی چارہ نہیں ہوتا۔امتحان کے بعد والی ندامت ایسی ندامت ہے،جس کی کوئی تلافی نہیں،خوب یاد رکھیے کہ امتحان ایک سنجیدہ اور تاثیر سے عبارت عمل ہے۔اچھے نتائج اور اعلیٰ نمبرات ثریا کی طرف لے جاتے ہیں، جب کہ کمزور نتائج اور نمبرات ہمیشہ پریشان کرتے ہیں۔قیامت کا دن جسے خاتم الکتب یعنی التنزیل الحکیم نے یوم الدین سے تعبیر کیا، اس دن اعمال نامے جب فضا میں اچھالے جائیں گے اور سعادت مند افراد کے دائیں ہاتھ میں پڑیں گے تو وہ خوشی میں جھومتا ہوا لوگوں کو دکھائے گا،لیکن جس کا اعمال نامہ اس کے بائیں ہاتھ میں پڑا وہ موت موت چلائے گا:

فَأَمَّا مَنْ أُوتِيَ كِتَابَهُ بِيَمِينِهِ ۔فَسَوْفَ يُحَاسَبُ حِسَابًا يَسِيرًا ۔وَيَنقَلِبُ إِلَىٰ أَهْلِهِ مَسْرُورًا ۔وَأَمَّا مَنْ أُوتِيَ كِتَابَهُ وَرَاءَ ظَهْرِهِ فَسَوْفَ يَدْعُو ثُبُورًا ۔ وَيَصْلَىٰ سَعِيرًا -

مدارس کے امتحانی نتائج بھی روزِ حساب والے اعمال نامے کی ہی ایک چشم کشا نظیر ہیں۔

عزیز طلبہ! آپ کو دی جانے والی کتابیں اگرچہ آپ کی توقع کے خلاف ہوسکتی ہیں، مگر ان کی قیمت کا اندازہ آپ کو نہیں ہے۔ یہ کتابیں علوم ومعارف کا گنجینہ تو ہیں ہی، جن ہاتھوں سے یہ کتابیں آپ تک پہونچ رہی ہیں وہ کوئی معمولی شخصیات نہیں ہیں۔ وہ انبیاء علیہم السلام کے وارثین اور پیغمبرِ اسلام علیہ السلام کے حقیقی ترجمان ہیں۔لوگ نمایاں غیر مسلم شخصیات سے انعام پا کر پھولے نہیں سماتے۔ یہ تو علمائے حق ہیں، ان کے مقام ومرتبہ کا کیا کہنا!

عزیز طلبہ! آپ نے اپنا بچپن اور جوانی جس راستے پر ڈالا ہے، اس کا انجام بڑا ہی شاندار ہے۔ محسنِ انسانیت ﷺ نے فرمایا: خیرکم من تعلم القرآن وعلمہ۔تم میں سے سب سے بہتر وہ ہے جو قرآن سیکھے اور سکھائے۔ یہ بھی فرمایا: "جس کے ساتھ اللہ بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے، تو اسے دین کی سمجھ عطا کر دیتا ہے" (سنن الترمذی ۲۶۴۵) سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: "بے شک دنیا ملعون ہے اور جو کچھ دنیا میں ہے وہ بھی ملعون ہے، سوائے اللہ کی یاد اور اس چیز کے جس کو اللہ پسند کرتا ہے، یا عالم (علم والے) اور متعلّم (علم سیکھنے والے) کے" (سنن الترمذی ۲۳۲۲)) ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، انہوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: ''اللہ عزوجل نے میری طرف وحی فرمائی کہ جو شخص طلب علم میں کوئی سفر کرتا ہے تو میں اس کے لیے جنت کا راستہ آسان کر دیتا ہوں، اور میں جس کی دونوں آنکھیں سلب کر لیتا ہوں تو میں اس کے بدلے اسے جنت عطا کر دیتا ہوں، علم میں اضافہ، عبادت میں اضافہ سے بہتر ہے، اور دین کی اصل تقویٰ ہے۔'' (صحیح الجامع ۱۷۲۷) لہٰذا طلبہ اسلاف کی روش کو مضبوط طریقے سے اپنا کر علم کی طلب میں انہماک پیدا کریں! انہماک کے بغیر علم کا حصول ناممکنات میں سے ہے۔ رئیس الاذکیاء حضرت امام شافعیؒ نے فرمایا تھا:

بقدرالكد تكتسب المعالي ☆ وَمَنْ طلب العلىٰ سَہر اللیالی
ومن طلب العُلٰی من غير كدٍّ ☆ اضاع العمر في طلب المحال

بلند مقاصد کے لئے نیندیں قربان کرنی پڑتی ہیں، کیونکہ محنت کے بقدر ہی مقام ومنزلت ملا کرتی ہے۔
جو شخص بے غیر محنت ومشقت کے بلندی کا طالب ہے، اس نے اپنی عمر محال اور ناممکن چیز کی تحصیل میں گنوادی۔

مہمانانِ عالی شان! پچھلے سال 217 طالبانِ علوم جامعہ میں داخلہ پانے میں کامیاب رہے۔ ناظرہ میں ۱۲، حفظ میں ۱۷، اعدادیہ میں ۲۸، عربی اول میں ۱۶، عربی دوم میں ۱۵، عربی سوم میں ۲۰، عربی چہارم میں ۲۴، عربی پنجم میں ۱۹، دورۂ حدیث میں ۴۸، تکمیلِ ادب میں ۹ / اور تکمیلِ افتا میں ۹ / طلبہ نے داخلہ پایا، جن کی مجموعی تعداد ۲۱۷ / بنتی ہے۔ لاک ڈاؤن کے خاتمے کے بعد ششماہی سے چند دنوں پہلے

جامعہ کا روایتی تعلیمی نظام فعال ہوا تھا۔ اس کے بعد والا سال حسبِ روایت شوال سے شروع ہوا۔ یہ تعلیمی رپورٹ اسی سال کے طلبہ کی ہے۔ لاک ڈاؤن کے بعد سے مدارسِ اسلامیہ طلبہ کی قلتِ تعداد سے شکوہ کناں ہیں۔ مسلمانوں کی توجہ دینی تعلیم کی طرف کم ہوئی ہے جو ہمارے لیے سخت تشویش کا باعث ہے۔

حاضرینِ باتمکین! پیغمبرِ انقلاب رسالت مآب ﷺ نے فرمایا: **من لم یشکر الناس لم یشکر الله**، جو انسان کا شکریہ ادا نہیں کرتا، وہ عادتاً اللہ کے شکر کی ادائیگی میں بھی پیچھے رہتا ہے۔ اللہ اور رسول ﷺ کے فرمان پر عمل کرتے ہوئے جامعہ بھی شکریہ ادا کرنا اپنا اخلاقی فریضہ سمجھتا ہے۔ یہ گراں قدر انعامات جو کتابی شکل میں طلبہ کو دیے گئے اور جن کی مجموعی قیمت سوا دو لاکھ روپے ہیں، ان کے لیے دیوبند کے تمام کتب خانوں کا شکریہ ادا کرتا ہے جنہوں نے جامعہ کے ہر انعامی اجلاس میں طلبہ کے لیے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ اللہ عز وجل ان کے مالکان کو جزائے خیر عطا فرمائے اور ان کی جان و مال میں خوب برکت دے۔
پوزیشن پانے والوں کے لیے نقد انعامات جامعہ کی طرف سے دیئے گئے۔

و آخر دعوانا ان الحمدلله رب العالمين

ایک اہم گزارش

جامعہ امام محمد انور شاہ دیوبند اپنی تعلیم وتربیت، نظم وانتظام اور دینی وعلمی خدمات کے اعتبار سے ملک کا معروف ونامور ادارہ ہے، جامعہ ہٰذا نے گزشتہ ۲۷/ سالوں میں خدا تعالیٰ کے فضل وکرم بانیٔ جامعہ فخر المحدثین حضرت مولانا سید محمد انظر شاہ کشمیری نور اللہ کے اخلاص اور حضراتِ اساتذہ وکارکنان کی محنت کے سبب ملک کے تعلیمی حلقوں میں نمایاں مقام کیا ہے۔

جامعہ میں درجۂ حفظ، ناظرہ وعالمیت کے شش سالہ نصاب کے ساتھ تکمیل ادب عربی وتکمیل افتاء کے ساتھ علوم عصریہ کا نصاب بھی زیر عمل ہے، اس کی وجہ سے جامعہ کی ضروریات بہت بڑھ گئی ہیں، مزید اساتذہ کا تقرر، طلباء کی تعداد میں معقول اضافہ، رہائش گاہوں ودرسگاہوں کی تعمیر، طلبہ کی امداد اور مطبخ کی توسیع۔ یہ ضروریات خدا تعالیٰ کے فضل وکرم کے بعد برادرانِ اسلام کے مالی تعاون سے پوری ہوں گی۔ ان شاءاللہ تعالیٰ

آپ حضرات سے گزارش ہے کہ مذکورہ بالا ضروریات کی تکمیل کے لیے جامعہ کا بیش از بیش تعاون فرمائیں اور عنداللہ ثوابِ دارین کے مستحق ہوں۔ **ان اللہ لایضیع اجر المحسنین**

ڈرافٹ اور چیک پر صرف یہ عبارت لکھیں

JAMIA IMAM MOHAMMAD ANWAR SHAH

A/C No.: 50100420638245

IFSC.: HDFC 0001974

BRANCH: HDFC DEOBAND

Monthly MUHADDIS-E-ASR Deoband
Vol. 22 Issue 01/Jan-Feb/2024
RNI UPURD/2000/10663(83220)
Contact Mob:+91-9557051315 jimask98@gmail.com
Printed, Published & Edited By Syed Ahmad Khizar Shah
on Behalf of JIMAS, Behind Eidgah, Deoband. Saharanpur (U.P.)
Printed At Mukhtar Press Samreen Printers, Deoband

Jan - Feb 2024

بیت الحکمت وجامعہ امام محمد انور شاہ سے
عنقریب شائع ہونے والی کتابیں

سوانح فخر المحدثین: خاتم الفقہاء والمحدثین امام العصر علامہ سید محمد انور شاہ کشمیری کے علمی جانشین بانی جامعہ فخر المحدثین حضرت مولانا سید محمد انظر شاہ مسعودی کشمیری قدس سرہ کے حالات، مشاہدات، علمی خدمات، ادبی نگارشات، سیاسی بصیرتوں اور لازوال کارناموں کا تفصیلی تعارف۔ علم و ادب اور حقائق و معارف کا یہ خوب صورت مرقع ان شاءاللہ دو جلدوں میں پیش کیا جائے گا۔

منحة الودود: امام العصر علامہ سید محمد انور شاہ کشمیری نے دارالعلوم دیوبند میں سالہا سال ابوداؤد شریف کا بھی درس دیا ہے۔ ان کی درسی تقاریر کا زبردست مجموعہ بنام منحۃ الودود پہلی بار بزبان عربی کئی جلدوں میں آرہا ہے، علوم انوری کے دل دادگان کے لیے عظیم ترین پیش کش۔

مقالاتِ انظر: بانئ جامعہ، فخر المحدثین حضرت مولانا سید محمد انظر شاہ کشمیری قدس سرہٗ نے نوعمری میں ہی درس وتدریس کے ساتھ قلمی دنیا میں بھی قدم رکھ دیا تھا اور اخیر تک ان کی خدمات سرگرمی کے ساتھ جاری رہیں۔ مقالاتِ انظر انہیں تحریرات میں سے اہم ترین مقالات کا انتخاب ہے۔ شائقین علم وادب کے لیے ایک تحفۂ نایاب۔